رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۷۹

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

رسالہ ریویو آف ریلیجنز

چندہ سالانہ ہندوستان [illegible] بیرون ہندوستان [illegible]

[illegible] طلباء اور غرباء سے [illegible]

ایڈیٹر - قاضی محمد ظہور الدین اکمل

نمبر ۲ فروری ۱۹۲۴ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ جلد ۲۳

فہرست مضامین

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر چھپکر شائع ہوا

کلمات طیبات

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

(۱)

الہام رحمانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دیکر کسی بات کے استکشاف کے لئے بطور استخارہ و استخبارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے۔ خاصکر اس حالت میں کہ جب اُس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بُرا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اُس وقت اُس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے مگر وہ بلا توقف نکالا جاتا ہے اسی کی طرف اللہ جلشانہ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ (ازالہ اوہام جلد ۲ صفحہ ۶۲۸-۶۲۹)

(۲)

احادیث کی کتابوں میں بعض امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجتہادی غلطی کا بھی ذکر ہے اگر کل قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی سے تھا تو پھر وہ غلطی کیوں ہوئی گو آنحضرتؐ اسپر قائم نہیں رکھے گئے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ وہ اجتہادی غلطی بھی وحی کی روشنی سے دُور نہیں تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے قبضہ سے ایکدم جُدا نہیں ہوتے تھے پس اس اجتہادی غلطی کی ایسی ہی مثل ہے جیسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں چند دفعہ سہو واقع ہُوا تا اس سے دین کے مسائل پیدا ہوں سو اسی طرح بعض اوقات اجتہادی غلطی ہوئی تا اس سے بھی تکمیل دین ہو۔ اور بعض باریک مسائل اسکے ذریعہ سے پیدا ہوں اور وہ سہو بشریت سے بھی تمام لوگوں کی طرح سہو نہ تھا بلکہ دراصل ہمرنگ وحی تھا کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تصرف تھا جو نبی کے وجود پر حاوی ہو کر اسکو کبھی ایسی طرف مائل کر دیتا تھا جسمیں خدا تعالیٰ کے بہت مصالح تھے سو ہم اُس اجتہادی غلطی کو بھی وحی سے علیحدہ نہیں سمجھتے کیونکہ وہ ایک معمولی بات نہ تھی بلکہ خدا تعالیٰ اُسوقت اپنے نبی کو اپنے قبضے میں لیکر مصالح عام کیلئے ایک نور کو سہو کی صورت میں یا غلط اجتہاد کے پیرایہ میں ظاہر کر دیتا تھا اور پھر ساتھ ہی وحی اپنے جوش میں آجاتی تھی جیسی ایک چلنے والی نہر کا ایک مصلحت کے لئے پانی روکدیں اور پھر چھوڑ دیں۔ پس اسجگہ کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا کہ نہر سے پانی خشک ہو گیا یا اُسمیں سے اٹھا لیا گیا۔ یہی حال انبیاء کی اجتہادی غلطی کا ہے کہ روح القدس تو کبھی انسے علیحدہ نہیں ہوتا۔ مگر بعض اوقات خدا تعالیٰ بعض مصالح کیلئے انبیاءؑ کی فہم اور ادراک کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے تب کوئی قول یا فعل سہو یا غلطی کی شکل پر اُن سے صادر ہوتا ہے اور وہ حکمت جو ارادہ کی گئی ہے ظاہر ہو جاتی ہے تب پھر وحی کا دریا زور سے چلنے لگتا ہے اور غلطی کو درمیان سے اُٹھا دیا جاتا ہے گویا اُس کا کبھی وجود نہ تھا (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یعنی وہ ہستی و خالق و ربّ مجید ✽ ہرچہ خواہد مے کند عزّ شانہ

اسلامی قادر مطلق اور آرین سروشکتیمان

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ہ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ج وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہ (الحدید)

جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ اللہ کی پاکیزگی بیان کرتی ہے اور وہ غالب حکیم ہے اسی کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہی ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور وہ ہر امر پر جسے چاہے قادر ہے۔

حاضرین جلسہ اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اور اس عقیدہ کا بیان قرآن مجید میں بالتصریح متعدد مقامات پر موجود ہے اور ساتھ ہی اس کے دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔ سورہ حدید کی دو آیتیں جو میں نے اسوقت تلاوت کی ہیں وہ بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو جملہ کائنات سماوی و ارضی کو اپنی قدوسیت ظاہر کرنے والی قرار دیا ہے۔ اور اس میں کیا کلام ہے کہ چشم بصیرت سے جب ہم اس کائنات کے اندر غور کرتے ہیں تو صانع کائنات کی ثنا بلا اختیار زبان سے نکل جاتی ہے۔ جسقدر زیادہ علم ہوتا ہے اسی قدر خدا کی قدرت و حکمت انسان کو محو حیرت کر دیتی ہے صحیفہ فطرت کا مطالعہ علماء و حکماء کو اس فاطر السموات والارض کے عزیز و حکیم ماننے کے لئے مجبور کر دیتا ہے۔ اور بلا اختیار یہ کہنا پڑتا ہے کہ آسمان و زمین کی بادشاہت اسی اللہ کی ہے اور وہی پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے اس کے لئے کوئی بات انہونی نہیں ہے۔

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ جو کچھ چاہے نہ کر سکے تو پھر وہ موت و حیات پر بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی وہ حقیقی معنوں میں آسمان و زمین کا مالک ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ الحکیم اور العزیز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو کسی امر میں عاجز ہو وہ سب پر غالب کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جو غالب نہیں اس کی حکمت بیکار ہو گی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ

اس کے کام ادھورے اور ناقص ہوں اور بجائے اس کے کہ کائنات آسمان وزمین اسکی پاکیزگی کا اظہار کریں اس کے عاجز اور ناقص ہونے کی شہادت دینگے۔ مگر یہ تو کسی آستک (خدا کو ماننے والے) کا مذہب نہیں ہو سکتا ہاں ناستک اپنی جہالت سے بعض حکمتوں اور قدرتوں کو نہ جاننے کی وجہ سے بعض مصنوعات سے خالق کل شے کی ذات میں نقص نکالا کرتے ہیں* لیکن اسوقت چونکہ ہمارے مدِمقابل آریہ سماجی ہیں جو آستک ہونے کے مُدّعی ہیں اسلئے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ خدا تعالیٰ کو واقعی قادر مطلق یعنی سروشکتیمان مانتے ہیں یا وہ سروشکتیمان کا صرف لفظ ہی لفظ بولا کرتے ہیں تاکہ اتقادر خدا کے ماننے والوں کے مقابل لفظی توازن ہو جائے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ آریہ سماجی صرف نام کے آستک ہیں اور وہ زبانی پرمیشور کو سروشکتیمان کہتے ہیں۔ لیکن دل سے اسے بالکل عاجز اور اشکتیمان یقین کرتے ہیں۔ اور اس نقص کو چھپانے کے لئے قادر مطلق پر اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں مثلاً کہہ دیتے ہیں کہ کیا وہ مر نہیں سکتا۔ اور

---

* چونکہ یہ مضمون ناستکوں کے مقابل پیش نہیں کیا گیا اس لئے ہم ان کے اعتراضوں کا یہاں ذکر نہیں کر سکتے۔ البتہ قاعدہ کلیہ کے طور پر ایک اصولی جواب دیئے دیتے ہیں جو یہ ہے کہ تمام ناستک قانون قدرت کے بےانتہا عجائبات کے قائل ہیں۔ مگر صرف بعض امور ہیں جو انکی نظر میں ناقص ہیں۔ اسلئے ہم کہتے ہیں کہ صرف چند نقص خالق کے عدم وجود کی دلیل ہیں تو کیا وجہ ہے کہ بےشمار کمالات جو نظام عالم میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک انسان کے وجود کی صنعت پر غور کرو پھر اس میں بھی صرف ایک آنکھ تو دیکھو اور ذرا غور سے آنکھ کا مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ ایک ایسا عجیب و غریب آلہ ہے کہ عقل انسانی آج باوجود کمال علمی ترقی کے اس کی حکمتوں اور باریکیوں کو کما حقہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ ایک شخص جس نے فوٹوگرافی کا علم پڑھا ہے وہ آنکھ کی فوٹوگرافی کو دیکھ کر بےساختہ سبحان اللہ کہہ اٹھیگا مگر جس طرح ایک نادان کسی خراب تصویر کو دیکھ کر موجودہ آلہ فوٹوگرافی کو ناقص بتائے۔ ٹھیک اسی طرح ناستکوں کا حال ہے وہ ایک فوٹوگرافی کے آلہ کو تو خود بخود بن جانا ناممکن جانتے ہیں۔ مگر آنکھ جیسے نازک اور پیچیدہ آلہ کا بن جانا بلا کسی موجد کے ہی مان لیتے ہیں اور ان سے بھی بڑھ کر وہ احمق ناستک ہے جو کسی آنکھ کو دیکھتا ہے اور اس کی باریکیوں کو سمجھنے سے بھی عاجز ہے اور اس کا دل اس حکیمانہ صنعت کو دیکھ کر فطرۃً صانع کے حکیم ہونے کا قائل ہو جاتا ہے مگر وہ خارجی اسباب سے آنکھ میں کوئی زخم یا نقص پا کر جھٹ کہہ اٹھتا ہے کہ اس آنکھ کا بنانے والا کوئی علیم حکیم نہیں ہے کیونکہ اس میں نقص ہے اور پھر وہ صانع عالم کا بھی انکار کر دیتا ہے۔ مگر اہل بصیرت کہتے ہیں ؎

چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے ❊ ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خم دار کا

جب یہ کہا جائے کہ وہ نہیں مر سکتا تو اپنی خوش فہمی سے جھٹ بول اُٹھتے ہیں کہ پھر وہ قادر مطلق کس طرح ہوا۔ کیونکہ قادر مطلق کے یہ معنی ہیں کہ جو چاہے سو کرے۔ پس اسلام کا خدا بھی قادر مطلق نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ مہاشہ صاحبان آپ کے اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے۔ آپ سوچیں کہ مرنا قدرت کا کام ہے یا عجز کا۔ ہم مرتے ہیں تو کیا یہ ہماری قدرت کا ثبوت ہوتا ہے۔ ہمارا مرنا مارنے والے کی قدرت کا تو نشان ہے۔ لیکن ہماری بے کسی اور بے بسی کا نشان ہے۔ پس قادر مطلق کے ردّ کرنے کے لئے یہ پوچھنا کہ کیا وہ مر نہیں سکتا۔ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی بہادر کی بہادری کا ثبوت مانگے۔ اور پوچھے کہ اگر وہ واقعی بہادر ہے تو شیر کی تصویر سے کیوں نہیں ڈرتا۔ بالکل یہی مثال آریوں کے سوال کی ہے۔

ہم پہلے اصولاً بتا دیتے ہیں کہ اہل اسلام خدا تعالیٰ کو تمام عیبوں سے پاک اور تمام خوبیوں والا مانتے ہیں۔ جیسا کہ ان آیات سے بھی ظاہر ہے جو ہم نے پہلے تلاوت کی ہیں۔ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم قدوس بھی ہے اور قرآن مجید میں کھلے لفظوں میں خدا تعالیٰ کے لئے آیا ہے لہ الاسماء الحسنیٰ پس ہر امر جو اس کے اسماء حسنیٰ کے خلاف ہے وہ خدا تعالیٰ نہیں کریگا کیونکہ اس کا کرنا درحقیقت خدا کا اپنی صفات کا ہی مٹانا ہو گا۔ پس آپ کوئی امر جو قدرت کا ہو اسے پیش کریں پھر ہم ضرور یہی کہینگے کہ ہاں ہمارا اعتقاد ہے خدا ضرور اس امر قدرت پر بھی قادر ہے۔ مگر ہم کیا کریں آپ لوگ تو جب سوال کرتے ہیں وہ اُلٹا ہی ہوتا ہے بہت بڑھکر کسی نے آپ میں سے تیر مارا تو یہ کہدیا کیوں صاحب خدا اپنے جیسا خدا نہیں بنا سکتا یہ تو قدرت کا کام ہے بلکہ بہت ہی بڑی قدرت کا کام ہے۔ اور یہ اعتراض بانی آریہ سماج سوامی دیانند جی مہاراج کا ہے۔ پس ہم آپ لوگوں پر کیا افسوس بھی کریں جبکہ مہا رشی کا یہ حال ہے کیا آپ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر خدا تعالیٰ اپنی مثل اور خدا بنا لے یا بنا سکے تو خدا کی اپنی خدائی کہاں رہی جس کی مثل دوسری چیز پیدا ہو گئی وہ مثل اپنے مثیل کے مخلوق ہونیکی دلیل ہو گی اور جو مخلوق ہے وہ فانی ہے تو کیا آپ فانی ہونے کو سب سے بڑی قدرت کا کام سمجھتے ہیں اگر واقعی یہ امر ہے تو ہم کہتے ہیں کہ

بریں عقل و دانش بباید گریست

بھلے لوگو دیکھو ایک شریف انسان بھی اپنی شرافت کے خلاف کوئی کام پسند نہیں کرتا۔ مثلاً نجاست کا کھانا پسند نہیں کرتا اور نہیں کھاتا کیونکہ اس کی طہارت کے یہ خلاف ہے تو پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ جو واقعی قدوس اور سبوح ہے وہ کوئی ایسا فعل کرے جو اسکی کمال شان کے لائق نہ ہو۔

اگر خدا تعالیٰ کو قادر مطلق نہ مانا جاوے تو یاد رکھو خدا تعالیٰ کی تمام صفات معطل و بیکار ہو جاتی ہیں۔ مثلاً آریہ سماج خدا تعالیٰ کو دیالو مانتی ہے لیکن ایسی ہستی جو ایک ذرہ بے حقیقت کے پیدا کرنے

سے بھی عاجز ہے وہ کیا دیا کر سکتی ہے اس کے پاس کیا ہے جو کسی کو وہ دیگا۔ اس کی مثال تو ٹھیک وہی ہے کیا گنجی دھوئے اور کیا نچوڑے۔ دیالو ہونے کے لئے تو پہلے مالک ہونا ضروری ہے اور خدا کے مالک ہونے کیلئے اس کا خالق ہونا ضروری ہے۔ اور آپ لوگ مانتے ہیں کہ وہ خالق نہیں ہے پس کسی پر کیا دیا کر سکتا ہے۔ جبکہ خود ہی ایک ذرہ کا مالک نہیں ہے۔

پھر خدا تعالیٰ کی ایک صفت رحمانیت ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بلا مبادلہ رحم کرنے والا۔ چونکہ آریوں کے نزدیک خدا قادر مطلق نہیں ہے۔ اس لئے وہ بلا انسانی اعمال کے اپنر کیا رحم کر سکتا ہے۔

پھر چونکہ آریوں کے نزدیک خدا تعالیٰ قادر مطلق نہیں ہے۔ اس لئے وہ الغنی بھی نہیں ہے۔ غنی سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے کاموں میں کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ تمام مخلوقات اس کی محتاج ہے۔ واللہ غنی وانتم الفقراء مگر آریوں کے نزدیک خدا ایک ایک ذرہ کا اور ایک ایک روح کا محتاج ہے۔ مثلاً اگر ذرات یا پرکرتی اور ارواح نہ ہوتیں تو بقول آریہ صاحبان خدا اس عالم کو پیدا نہیں کر سکتا۔ جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہیں کہ وہ روح و مادہ کا محتاج ہے۔ دیکھو اگر ایک سُنار کو کہا جاوے کہ بھائی فلاں فلاں زیور بنا دو تو وہ یہ کہے کہ میں مجبور ہوں کیونکہ میرے پاس سونا یا چاندی نہیں ہے جس کا زیور بنا دوں تو ہم فوراً سمجھ جائینگے کہ وہ زیور بنانے کے لئے علاوہ اپنے اوزاروں کے سونے چاندی کا بھی محتاج ہے۔ ٹھیک اسی طرح آریہ سماج کا سروشکتیمان ہے۔ اور لطف یہ کہ نہ جانے آریہ پنڈت بڑے فخر سے پوچھا کرتے ہیں کہ اگر روح و مادہ قدیم نہیں ہیں تو پھر خدا نے دنیا کو کاہے سے بنایا۔ مگر وہ نہیں سوچتے کہ اس کا نتیجہ تو یہ ہُوا کہ اگر روح و مادہ قدیم ہے تو پھر وہ خود خدا ہیں اور بجائے اسکے کہ وہ خدا کی محتاج ہوں خدا انکا محتاج ہوگا۔ کیونکہ مادہ تو کسی طرح بھی خدا کا محتاج نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی ضرورت ہی کوئی نہیں روح بوجہ اپنی ضرورتوں کے خدا کی محتاج ہو سکتی ہے۔ مگر یہ بھی دراصل اسپر خدا کی مہربانی ہے کہ اسے مادہ کے ساتھ ملا دیا اور اسے احتیاج لاحق ہو گئی ورنہ روح اپنی ذات میں بالکل غیر محتاج ہے صرف خدا کو اپنا کارخانہ چلانے کے لئے روحوں کے اعمال کی ضرورت ہے علی الخصوص روحوں کے بداعمال کی ضرورت ہے۔ تا اس کی قدرتوں کا کارخانہ چلتا رہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب احتیاج مطلق ایک نقص ہے تو بداعمال کی احتیاج تو سخت عیب ہے۔ جسے آریہ سماج کے سوا خدا کے لئے کسی نے جائز نہیں رکھا۔ العیاذ باللہ۔

انسان کی فطرت میں نجات دائمی کی تڑپ موجود ہے لیکن چونکہ ایشور مہاراج نہ روحوں کو پیدا کر سکتے ہیں نہ مادہ کو۔ اس لئے وہ کسی روح کو دائمی نجات بھی نہیں دے سکتے۔ یوں اپنی مرضی

کے لئے بہانہ یہ رکھدیا ہے کہ چونکہ اعمال محدود کی جزا لامحدود نہیں ہو سکتی اس لئے دائمی نجات نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ انصاف کے خلاف ہے۔ محدود کرموں کا پھل لامحدود دیا جائے۔ مگر یہ ایک دھوکہ ہے جو آریہ سماج کو لگا ہے کیونکہ کسی کے حق سے کم دینا تو بلاشبہ بے انصافی ہے مگر حق سے زائد دینا یہ کہاں کا ظلم ہے اور کس طرح اسے بے انصافی قرار دیا جا سکتا ہے یہ تو دراصل کرم ہے۔ مثلاً ایک مزدور نے تمام دن کی اُجرت ایک روپیہ مقرر کر لی اور ہم نے اسے ایک روپیہ کے علاوہ ایک قمیص بھی دیدی تو کونسا عقلمند اور دیالو سماجی ہے جو ہمارے اس فعل کو کرم کی بجائے ظلم قرار دے۔ علیٰ ہذا القیاس محدود اعمال کی جزا دائمی نجات دینے میں کوئی بے انصافی نہیں ہے۔ اصل نقص جس کو چھپانے کے لئے یہ بہانہ تلاش کیا گیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ ایشور دائمی نجات اس لئے نہیں دے سکتا کہ اگر سب روحیں رہائی پا جائیں تو پھر خدا کا پیدا کرنا اور مارنا اتپتی اور پرلے کرنا یکسر بند ہو جاوے اور ایشور کی تمام صفات معطل ہو جاویں۔ غرض اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ دائمی نجات کو کسی حیلہ و بہانہ سے نہ دیا جاوے۔ اور اگر خدا تعالیٰ خالق و قادر ہوتا تو ہمیشہ نئی مخلوقات پیدا کر دیتا اور نجات پانے والی ارواح کو ہمیشہ کے لئے نجات دیدیتا۔ کوئی شریف انسان بھی کسی شے کو دیکر واپس لینا پسند نہیں کرتا۔ مگر آریوں کا پرمیشر عجیب دیالو ہے جو نجات دیکر بھی مکتی خانہ سے نجات یافتہ ارواح کو نکالدیتا ہے حالانکہ انکا کوئی قصور نہیں ہوتا۔

یہ کہنا کہ روحوں کے اعمال محدود تھے جب وہ ختم ہو گئے تو مکتی بھی ختم ہو گئی یہ دراصل نجات کی حقیقت سے بے خبری کا نتیجہ ہے اور غالباً ایسا بیان کرنے والوں نے آجتک کبھی مکتی خانہ کی سیر نہیں کی ورنہ وہ ایسی کمزور بات نہ کہتے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ایک کپڑا جسے دھوبی پانچ منٹ میں صاف کر دیتا ہے وہ کبھی میلا نہیں ہوتا جبتک خارجی میل اسکو لگ نہ جائے اگر وہ کپڑا بیرونی میل کچیل سے بچا لیا جائے تو یقیناً وہ کبھی میلا نہ ہوگا یہی حال مکتی پانیوالے انسان کا ہوتا ہے وہ عبادت الٰہی کے پانی سے اپنی روح کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کر لیتا ہے اور اسے وصال الٰہی ہو جاتا ہے اور اب اس کا جامہ ایسا پاک ہوتا ہے کہ اسپر کوئی دھبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس قرب ہی کے مقام میں خدا تعالیٰ کو اپنی روحانی آنکھ سے دیکھتا ہے اور وہ جمال و جلال الٰہی کا نظارہ کرتا ہے۔ اور ظلِ رحمانی کی پناہ میں آجاتا ہے اب کسی قسم کی بدی اس سے سرزد ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ بدی تو دراصل اسی وقت تک ہوتی ہے جبتک کہ اس ذات کی معرفت نصیب نہیں ہوتی یا اس سے دُوری ہوتی ہے لیکن جب اس ذات کا قرب حاصل ہو گیا تو اب گناہ کے کیا معنی۔ وہ تو اب اس ذات کی حمد میں ہی لگا رہیگا اور یہی اس کی غذا ہوگی جو اسکی دائمی بقا کا سامان ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ خود خدا تعالیٰ ان کو اپنی نعمتوں سے متمتع کرتا ہے ورنہ ان کا مقصود خدا کی ذات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنت

کی نعماء میں سے سب سے بڑی شے اللہ کی رضا ہے جیسا کہ فرمایا ورضوان اللہ اکبر اور اسی عالی مقام کی شرح میں ایک عارف ربانی نے کہا ہے۔

کباب جگر یار ما نہ گردد تا اید سیراب
مگر ما را بود ساقی خدائے ذوالجلال تو

پھر تمام اولیاء کے سردار سید العارفین غلام احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے:۔

کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اس سے ہیں جدا

اُس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مُدعا
جنّت بھی ہے یہی کہ ملے یار آشنا

پس جب تو گیان حاصل ہو گیا نجات حاصل ہو گئی اور اب اس مقام سے لوٹنے کا کوئی باعث ہی نہیں سکتا۔

فرض کرو آفتاب اپنی پوری شان سے چمک رہا ہے اور ایک شخص سردی کے موسم میں ایک تاریک کوٹھری میں پڑا ٹھٹھر رہا ہے وہ کوشش کر کے دھوپ میں آگیا اب اس کا جاڑا کم ہوا اور وہ دھوپ میں رہنے لگا اور جاڑے کی مصیبت سے رہائی ملی اب تاوقتیکہ آفتاب ہی غروب نہ ہو یا یہ شخص ہی دوبارہ اپنی کوٹھری میں نہ جا گھسے کبھی ممکن نہیں کہ وہ سردی کی مصیبت میں مبتلا ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس جو شخص آفتاب میں ہی داخل ہو جاوے اسکے لئے یہ کہنا کہ اسے خود بخود سردی لگنے لگی۔ اپنی بیوقوفی کا ثبوت دینا ہے اور اس سے بڑھکر یہ بے وقوفی ہے کہ وصال الٰہی کے مقام تک پہنچنے والوں کیلئے یہ کہا جاوے کہ انکے نیک اعمال کا سلسلہ ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ اس مقام سے نکال دیئے جاتے ہیں۔ دوستو غور کرو کہ نیک لوگوں کے اعمال نیک جو دنیا میں ختم ہو جاتے ہیں تو اس کی وجہ موت ہوتی ہے اور موت انکے اختیار کی بات نہیں ہوتی اگر وہ ہمیشہ کی زندگی پائیں تو یقیناً وہ ہمیشہ ہی نیک اعمال کرتے ہیں پس خدا تعالےٰ جو علیم ہے اور دلوں کے حال سے آگاہ ہے ضرور ایسے لوگوں کو ہمیشہ کی نجات دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اس کی زندگی کا ختم کرنے والا میں ہوں۔ اور اگر میں اس بندہ کو زندگی دیتا تو وہ اور بھی نیک اعمال کرتا۔ اور جب تک زندہ رہتا نیک اعمال ہی کرتا۔ کیوں وہ نفسانی آلائشوں سے نجات پا چکا تھا۔ نفس کی سے نجات ہی در اصل دائمی نجات کا ذریعہ ہے۔ پس

اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس
بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ

آرین اعتراضات

مذکورہ بالا بیان پر آریہ مناظر (پنڈت رامچندر دہلوی) نے مندرجہ ذیل اعتراضات کیئے:۔

(۱) کہا گیا ہے کہ اللہ ہر امر پر جیسے چاہے قادر ہے مگر وہ کس کے لئے چاہتا ہے جبکہ سوائے اس کی ذات کے کوئی تھا ہی نہیں۔ نہ روح تھی نہ مادہ تھا۔ پھر اس نے کیوں چاہا اور کس کے لئے چاہا۔ اس کا قادر ہونا کس کے لئے تھا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جس کے لئے پیدا کرے وہ پہلے سے ہو۔

(۲) چاہنا چاہنے والے کے نقص کا ثبوت ہے جیسے کسی کو پانی کی چاہ ہو تو وہ اسکے پیاسا ہونیکا نشان ہے اور پیاس پیاسے کے محتاج اور ناقص ہونے کی دلیل ہے پس خدا میں چاہ کو ماننا دراصل خدا کو قادر کی بجائے محتاج ثابت کرنا ہے۔

(۳) پیدائش کے معنی صرف ترکیب دینا ہے نہ کہ عدم سے وجود میں لانا۔ اور خدا ترکیب دیتا ہے مادہ اور ارواح کو جو پہلے سے موجود ہیں۔

(۴) خدا کے لئے پیدا کرنا بمعنی عدم سے وجود میں لانا ایسی طرح ناممکن ہے جس طرح اسکے لئے مرنا ناممکن ہے کیونکہ عدم سے وجود میں لانے کی صورت میں خدا پر بے انصافی کا الزام عائد ہوتا ہے۔ ہم سب جبکہ عدم سے وجود میں آئے ہیں تو پھر ہم سب کو یکساں کیوں پیدا نہیں کیا گیا۔ بلا اعمال سابقہ تفاوت مراتب کا پایا جانا پیدا کرنے والے کے ظلم کی دلیل ہے۔

(۵) مُکتی کے دائمی نہ ہونے پر اعتراض فضول ہے جبکہ احمدی صاحبان دوزخ کے دائمی نہ ہونیکے خود قائل ہیں۔ ان کی طرف سے دوزخ دائمی نہ ہونیکی وجہ یہی بیان کی گئی ہے کہ محدود اعمال کے بدلے غیر محدود سزا دینا انصاف سے بعید ہے علیٰ ہٰذا القیاس محدود اعمال کے بدلے لامحدود مُکتی بھی انصاف کے خلاف ہے۔ پھر یہ کہنا کہ مُکتی واپس لے لیتا ہے یہ بھی غلط ہے۔ واپس کچھ نہیں لیا جاتا بلکہ اسکی مثال تو ایسی ہے کہ مولوی صاحب ایک روپیہ کا سودا لے آویں جب وہ خرچ ہو جاوے تو مولوی صاحب کہنے لگیں کہ دوکاندار نے سودا واپس لے لیا۔ مگر ہم کہینگے کہ نہیں۔ مولوی صاحب آپنے سودا استعمال کر لیا۔ دوکاندار نے واپس کچھ نہیں لیا۔ اسی طرح مُکتی کا حال ہے کہ آپ اس کا اپنے اعمال کے مطابق جب آنند بھوگ لیتے ہیں تو وہ حالت ختم ہو جاتی ہے۔

(۶) یہ کہنا کہ خدا انسانوں کی بد اعمالی کا محتاج ہے غلط ہے۔ دراصل خدا کا کام تو جیسا کوئی کرے ویسا ہی پھل دینا ہے۔ بدی انسان پہلے کرتا ہے پھر اسکی سزا اسے ملتی ہے خدا کو انسانوں کی بدی کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔ یہ مولوی صاحب نے خواہ مخواہ آریہ سماج کے ذمہ الزام لگایا ہے۔

مُکتی کے وشے میں جو سورج کی مثال دیگئی ہے وہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ کبھی دھوپ میں بیٹھے بیٹھے اندر کی خرابی سے سردی لگا کرتی ہے۔ اسی طرح باوجود پرماتما کے اندر ہونے کے بھی اپنے اعمال کے

ختم ہوجانے کی وجہ سے مُکتی کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے۔

(۷) سب سے بڑی بات مولوی صاحب نے بڑے زور سے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ اگر روح و مادہ کا خدا خالق نہیں ہے تو وہ کسی شے کا بھی مالک نہیں ہوسکتا۔ لیکن مولوی صاحب کو یہ معلوم نہیں ہے کہ مالکیت کسے کہتے ہیں۔ مالکیت پانچ طرح سے پیدا ہوتی ہے اوّل کمائی سے۔ دوم ورثہ سے۔ سوم یونہی گری پڑی چیز کے ملجانے سے۔ چہارم دان ملنے سے۔ پنجم جبراً چھین لینے سے۔ دوسری۔ تیسری۔ چوتھی اور پانچویں صورت تو پرماتما کے لئے پائی ہی نہیں جاسکتی۔ البتہ پہلی صورت ہی در اصل اس کی مالکیت کی صحیح وجہ ہے۔ لیکن کمائی کیا شے ہے یہ ذرا سمجھنے کی بات ہے۔ کمائی علم و حرکت کو کہتے ہیں✲۔ جیسے ایک کمہار اپنے علم سے مٹی کو حرکت کے ذریعہ سے پیالہ وغیرہ کی شکل دیدیتا ہے تو وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے اور اُسے بیچ لیتا ہے۔ اسی طرح پرماتما نے اپنے علم کے مطابق مادہ کو حرکت دیکر اس عالم کو بنایا ہے اور وہ اس کا مالک ہے۔ (باقی آیندہ)

✲ پنڈت رامچندر نے خدا کے مالک ہونے کے لئے کسب یا کمائی کی جو تعریف بیان کی ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ فاعل اپنے علم و حرکت کی وجہ سے بننے والی شے کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن شملے میں جب شروع اکتوبر ۱۹۲۳ء میں مناظرہ ہُوا اور میں نے پھر یہ بات پیش کی کہ خدا کی مالکیت از روئے تعلیم آریہ سماج مطلق ثابت نہیں ہوسکتی اور پوچھا کہ بتاؤ تم پرماتما کو مالک کیوں مانتے ہو جبکہ وہ ہمارا خالق نہیں ہے تو پنڈت رامچندر نے کہا کہ مالکیت کی بنیاد علم و طاقت پر ہے۔ چونکہ خدا سب سے علیم ہے اور طاقت ور ہے اس لئے وہ سب کا مالک ہے۔ ہم نے پوچھا کہ پہلے تو آپ علم و حرکت کو وجہ مالکیت کہتے تھے اب علم و طاقت کو وجہ مالکیت قرار دیتے ہیں۔ اس کا کیا سبب تو پنڈت صاحب نے فرمایا کہ حرکت و طاقت ایک ہی بات ہے۔ تب ہم نے کہا کہ کسی غریب اور کمزور باپ کے بچے کا مالک باپ کے سوا کوئی اور کبھی نہیں ہوسکتا خواہ کوئی کتنا ہی طاقتور ہو اور کتنا ہی علم والا ہو کیونکہ جو تعلق ولد کو والد سے ہے وہ مالکیت کے لئے زبردست وجہ ہے اور دنیا کی کوئی عقلمند قوم اس حق کا انکار نہیں کرتی یہاں تک کہ اگر کسی غریب کے بچے کو جبراً بادشاہ بھی لیلے تو ہم اسے ظالم کہتے ہیں پس مجرد علم و طاقت وجہ مالکیت نہیں ہوسکتے۔

اسی دوران تقریر میں ہم نے یہ بھی پوچھ لیا تھا کہ حرکت مخلوق ہے یا غیر مخلوق تو پنڈت جی نے کہا کہ حرکت مخلوق ہے۔ اب دیکھو یہ کیسی صاف بات ہے کہ حرکت عدم سے وجود میں آئی ہے چونکہ وہ مخلوق ہے اور حرکت برابر ہے طاقت کے۔ جیسا کہ مباحثہ شملے میں تسلیم کرلیا ہے تو طاقت بھی مخلوق ہوئی۔ لہٰذا یہ ثابت ہوگیا کہ خدا تعالیٰ قوت کا خالق ہے۔ اور جو قوت کا خالق ہے وہ بے حس و حرکت کمزور مادہ کا خالق بھی ہو تو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

قرآنی قسموں کی حقیقت
اور
جیون تت کی فضیحت

اخبار جیون تت نے اپنے ۱۴ ستمبر ۱۹۲۳ء کے پرچے میں "قرآن شریف کے خدا تعالیٰ کی قسمیں" کے زیر عنوان اس بات کے ثابت کرنے کی لاطائل کوشش کی ہے کہ بار بار قسمیں کھا کر غیر کو اپنی بات کا یقین دلانا مہذّب سوسائٹی میں گھٹیا کیریکٹر کے انسان کا کام سمجھا جاتا ہے اور عموماً ایسی قسمیں ان کے کھانے والوں کی کم اعتباری کا موجب ہوتی ہیں اور شریف و خوددار لوگ قسموں کو اپنی ہتک سمجھکر صرف اقرار صالح ہی تک اپنے بیان کو محدود کیا کرتے ہیں۔ اور اپنے اس دعویٰ پر عدالتوں میں حلف دروغ اُٹھانیوالوں کے وجود کو دلیل گردانا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خدا تعالیٰ بھی نعوذ باللہ گھٹیا کیریکٹر کا ہے کیونکہ اس نے بھی قرآن شریف میں مختلف چیزوں کی قسمیں کھا کر اپنے بندوں کو یقین دلانا چاہا ہے اور آگے چلکر وہ قسمیں درج کی ہیں جو متعدد مقامات پر وارد تنزیل ہیں۔ میں ذیل میں قرآنی قسموں کی حقیقت سے ناآشنائی کی وجہ سے پیدا شدہ جیون تت کے اعتراض کی لغویت اور قرآنی قسموں کی حکمت بھری ماہیت اپنی بساط کے مطابق ہدیہ ناظرین کرتا ہوں تا قارئین کرام پر منکشف ہو جائے کہ صداقت کا فاصلہ جیون تت سے کتنا ہے۔

فطرت انسانیہ پر نظر غائر ڈالنے سے بوضاحت تام منکشف ہوتا ہے کہ قسم ایک ایسا فطرتی جذبہ ہے کہ ہر وحشی مہذب متمدن غیر متمدن جاہل عالم مغربی مشرقی سوڈانی جاپانی یونانی اور ہندوستانی سب اس پر مجبول ہیں اور کوئی فرد بشر ایسا نہیں جس کی فطرت سلیمہ ضرورت حقّہ کے وقت اس کی مقتضی نہ ہوتی ہو۔ طفلانہ تمدن کے زمانہ سے لیکر اس روشن تمدن کے زمانہ تک کی جبلّت بشریہ کا اگر کوئی مطالعہ کرے تو اس پر یہی واضح ہو گا کہ یہ ایک متعارف رواج ہے جو ابتدا سے ہی اُس میں سکونت پذیر ہے اور جس کی تہ میں نیچر کا ہاتھ مشغول کار ہے اور یہ خواص فطریہ میں سے ایک خاصہ ہے جو ہر فرد انسانی کے جذر جبلت میں مرکوز ہے۔ پس جب ایک اجمالی نظر سے ہماری عقل اس غایت کی طرف پہنچتی ہے کہ توحش و تمدن دونو زمانوں نے اپنی اپنی حکومت کے ایام میں انسانی اجتماع کی بہتری اور بشری معاملات کی کامیابی کے لئے بلا اختلاف اس قانون کو استعمال کیا ہے تو کسی کا یہ کہنا کہ قسم کھانا انسان کے گھٹیا کیریکٹر کے ہونیکی علامت ہے کہاں تک معقول گردانا جا سکتا ہے۔ انسانی معاملات کے سر انجام دینے کے لئے فطرت حقّہ کی طرف سے گونجنے والی اس نہایت مفید صدا کی عظمت کا منکر اور بشری

کمزوریوں کی وجہ سے ناشی ہونے والے اختلافات میں حَکم بنکر اُلجھے ہوئے انتظام کو سُلجھانے والا اس از بس ضروری جبلتی داد گر کو خود داری کے خلاف کہکر احتقار کا مرتکب کس حد تک سلیم فطرت کا مالک کہا جا سکتا ہے۔ اگر کلیتہً جھوٹا اور دغا باز انسان صادق و راستباز کی طرح نزاع و خصومت کے وقت میدان مقابلہ میں مبارز ہو کر صدق و راستی پر فتحمند ہو جایا کرتے اور اس وجہ سے حق و باطل ہمیشہ ملتبس رہتے اور تحقیق حق اور اظہار صدق میں قسم کا وجود کسی قسم کا ممد نہ ہوتا تو عقل انسانیہ اور فطرت بشریہ بلا کسی اختلاف کے اس پختگی کے ساتھ اس امر پر قطعاً اتفاق نہ کرتیں۔ کیا یورپ کی قومیں جو شریعت و دھرم کو نظر حقارت سے دیکھتی اور لعنت سی تعبیر کرتی ہیں اور جو تمدن و تہذیب اور علوم و فنون میں اوج کمال تک پرواز کر گئی ہیں قسمیں نہیں کھاتیں کیا انکے ہاں عدالتوں اور قانونوں میں قسم کا کوئی دخل نہیں۔ پھر کیا یورپ و امریکہ کے وہ لوگ جو اعتقاداً جیون تت سے متفق ہیں قسمیں نہیں کھایا کرتے؟ اور خدائے ذو الجلال سے روگردان ہو کر ایک کمزوریوں کے پُتلے کی پوجا کرنے والے جیون تت کے حامی اور ہمنوا کہہ سکتے ہیں کہ وہ قسمیں نہیں کھایا کرتے کیا ہندوستان کے ہائی کورٹوں کے لائق جج اپنے عہدوں پر سرفراز کیئے جانے کے وقت قسمیں کھا کھا کر اقرار نہیں کیا کرتے پھر کیا ہندوستان کے گورنرز اور گورنر جنرل اپنے عالی مناصب پر مقرر ہوتے وقت حلفاً عہد و پیمان نہیں کیا کرتے؟ پس جب یہ باتیں مسلّم ہیں تو کیا یہ جیون تت کی نرالی فطرت ہی نہیں ہے جس سے یہ ندا برآمد ہوتی ہے کہ قسم کھانا گھٹیا کیریکٹر کے انسان کا کام ہے کیا یہ تمام لوگ جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے مہذّب سوسائٹی کے ممبر نہیں اور کیا جیون تت ان لوگوں کو جو بلحاظ تمدّن کے اعلیٰ ترین طبقے میں شمار ہوتے ہیں گھٹیا کیریکٹر کے ہونیکا فتویٰ دیتا ہے۔

جیون تت کی یہ دلیل کسی کے لئے موجب خلجان خاطر نہیں ہو سکتی کہ بار بار کی قسمیں ایک مذموم اور معیوب بات ہے کیونکہ معمولی باتوں میں حلف اُٹھانا اور ایک ہی امر کے متعلق پے در پے قسمیں کھانا ہماری شرع متین میں منہیّات میں شمار ہوتے ہیں اور قرآنی قسمیں ان دونو وصفوں سے مبرّا ہیں اور ان کی حقیقت انسانی قسموں سے کلّیتہً متغائر ہے جیسا کہ ابھی واضح ہو جاتا ہے ہاں جیون تت کے اس قول سے کہ "گھٹیا کیریکٹر کے لوگ خدا تعالیٰ گرنتھ صاحب قرآن شریف اور بائیبل شریف اور وید وغیرہ کی قسمیں کھا کر جھوٹے بیانات دے آتے ہیں" قسم کی حقیقت و عظمت میں صرف اس صورت میں حرف آسکتا ہے جبکہ یہ تسلیم کیا جائے کہ تمام فطری جذبات

اور جبلتی تقاضات بھی جبکہ کوئی ان کو خلاف محل استعمال کرے حقیقت و عظمت سے عاری اور کفیل ضروریات ہونے سے عاجز ہو جاتی ہیں مثال کے طور پر اسی ایک بات کو لیلو اور اس معیار پر پرکھو کہ اقرار صالح کے ساتھ اپنا بیان دینا ایک فطری تقاضا ہے لیکن چونکہ بعض دنی الطبع لوگ دروغ گوئی اور مغالطہ آمیزی سے کام لیتے ہیں لہٰذا کسی کا اقرار صالح کے ساتھ بیان دینا معیوب ہے؟ اور اگر کوئی شخص ایسا پایا جائے تو گویا وہ گھٹیا کیریکٹر کا انسان اور مہذب سوسائٹی سے باہر ہے بھلا یہ بھی کوئی معقول استدلال ہو سکتا ہے اور اس نتیجہ کی صحت کا کوئی قائل ہو سکتا ہے اس امر کی تسلیم سے تو دنیا کے کل نیچری قوانین درہم برہم ہو جاتے ہیں حالانکہ ایک امر کے غلط استعمال سے وہ امر فی نفسہٖ نہ معیوب شمار ہوتا ہے اور نہ غیر ضروری گردانا جاتا ہے بلکہ صرف وہ ناجائز استعمال ہی غلط کاری ہوتا ہے اور وہ طریقۂ عمل ہی خلاف فطرت ہوتا ہے پس حلف دروغ کا وجود وجودِ قسم پر کوئی دھبہ نہیں لگا سکتا اور نہ کاذبوں کا وجود راستگوئی کے ترک کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔

قرآنی قسموں کی نسبت کچھ پیش کش ناظرین کرنے سے قبل ایک اور ضمنی بات بھی عرض کئے دیتا ہوں جو وہ بھی قسموں کی اہمیت اور ضرورت کو آشکارا کرنیوالی ہے عربوں کی فطرت میں قسم کی عظمت مرکوز تھی اور ان کے قلوب میں یہ اعتقاد راسخ تھا کہ قسم ذرائع فیصل میں سے ایک ذریعہ ہے اور وہ جانتے تھے کہ جھوٹی قسم سے اپنے منہ کو آلودہ کرنے والا کامرانی سے ملاقی نہیں ہوتا بلکہ اسکے صلے میں خسران و تباہی سے خار بدامن ہو جاتا ہے اور اُن کے ہاں یہ مثل رائج تھی کہ اِنَّ الایمانَ تدعُ الاَرضَ بلاقعَ یعنی قسمیں ملک کو تباہ و ویران کر دیتی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ تعصّب و پکش پات سے خالی ہو کر محققانہ غور کرنے پر انسان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی عربوں سے مختص خاصہ نہیں ہے بلکہ صحیح فطرت کا میلان اور تقاضا یہی ہے اور خارجی واقعات ہر زمانہ میں اسی کے شاہد نظر آتے ہیں اور حلف دروغ کے مرتکب جلد یا بدیر بربادی و ہلاکت کے شکار ہوئے ہیں یا کم از کم اپنے ہمعصروں اور اپنے لاحقوں میں اپنی پیاری عزت کو بے اعتباری پر قربان کر کے رفیع اور وضیع دونو کی سوسائٹی کی ممبری سے استعفا دینے پر مجبور ہوئے ہیں پس ایسی صورت میں ایک شخص کا اس قوم کے سامنے اپنا دعویٰ اور ہر حرف ان الفاظ میں پیش کر کے جو غائیت درجے کی تاکید کے لئے عربی لٹریچر میں خصوصاً اور دوسری زبانوں میں عموماً استعمال ہوتے ہیں اپنی بات منوانیکی کوشش کرنا جو قوم کے نزدیک ان کی عزت و آبرو کے حق میں سم قاتل سے کہیں بڑھکر ہے

کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ کیسی فضیحت اور کسقدر خجالت محمدؐ عربی (صلعم فداہ روحی) کو ہوتی اگر باوجود قسمیں کھا کھا کر اپنے دعویٰ کو پیش کرنے کے وہ معیار اور مسلّمات کے مطابق نہ اُترتا۔ لیکن کیا جیون ننت یا کوئی اور البشر تیاگی کہہ سکتا ہے کہ ایسا ہی ہُوا ہے وہ آزاد اور غیرتمند قوم احساس فطری کے ماتحت آزادانہ دریافت کرتی ہے یَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ یعنی اے محمدؐ جو کچھ تو ہمیں کہتا ہے کہ اِس طرح ہوگا اور اُس طرح ہوگا کیا یہ سچ ہے۔ اس سوال کا وہ بہادر انسان ایسا موثر اور پُرزور جواب دیتا ہے جس کا ایسی پُرجوش تحریک کے وقت جذبۂ صحیحہ کی بنا پر فطری شعور متقاضی ہوتا ہے اور کہتا ہے اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ہاں میرے پروردگار کی قسم یہ بالکل سچ ہے اور واقعات ثابت کر دینگے کہ تم مجھے درماندہ نہیں کروگے بلکہ مَیں مظفر و منصور ہو جاؤنگا اور یہ میری صداقت کی دلیل ہے۔

آخر عربوں نے دیکھ لیا اور بڑی صفائی سے دیکھ لیا کہ وہ اس ایک انسان کو باوجود ہر قسم کی طاقتیں رکھنے کے اور ہزار جتن کرنے کے عاجز نہ کر سکے بلکہ خود عاجز آگئے اور ایسے عاجز ہوئے کہ اس کی غلامی کو فخر و عزّت سمجھنے لگے اور اسکو باوجود تن تنہا اور بےکس و بےسروسامان ہونے کے وہ عزّت و احترام اور وہ ترقی اور فتح ہوئی کہ ایک زمانہ اس سے دنگ ہے اور اس کی نظیر کسی قومی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ اور بڑے وثوق و یقین کے ساتھ عربوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ صادق انسان ہے اور اس کی پشت پناہ ایک نہایت زبردست ہستی ہے جو تمام دنیوی سامان کے خلاف اسکی تائید پر تُلی ہوئی ہے اور غیر معمولی طور پر ظاہری نیچر کے خلاف اس کی کمک کے لئے کھڑی ہے۔ سرب بلبھ جگت پتا پرمیشر کو تیاگ کر ایک اشکت اور روگی منش کو گرہن کرنیوالا جیون تت ذرا اپنے ہردے میں وچار تو کرے کہ اگر کوئی انتریامی اور سرشٹی کرتا پر برہما نہیں ہے تو وہ کونسی شکتی تھی جو محمدؐ (صلعم فداہ ابی و امی) کو یہ پورن وشواش دیتی تھی کہ وہ اس ویر عرب سے قسم کھا کر اپنی اشکتی اور تنہائی کے سما میں بغیر کسی سندیہہ کے یہ کہے کہ مَیں جیت جاؤنگا اور تم لوگ کیوں ایک مرت شریر کی طرح کچھ نہ کرسکوگے پھر سنبھوہ ہمیں پرت اکش کرکے دکھاتا ہے کہ اس کا وہ بچن بالکل ٹھیک تھا پھر اس زمانہ میں بھی ایک مہاپرش نے بڑی گونج کے ساتھ یہ سندیسہ دی کہ ان سرب وستو کا ایک سرشٹی کرتا ہے جو علاوہ سرب ویاپک ہونے کے سرب شکتیمان بھی ہے اور بڑا دیالو ہے اور اس نے مجھے اپنی سرشٹی کو سنمارگ درشن کرانے کے لئے دوت بناکے بھیجا ہے اور پھر دنیا کے سامنے قسمیں کھا کھا کر یہ پرسیا کرتا رہا کہ مَیں جیت جاؤں گا۔ اگرچہ ساری دنیا میرے وِردھ ہو کر یدھ کرے اور میرے شترو ہو کر میرے ناش کرنیکی جتن کرے اور آنکھوں سے ہم پرتیت ہو گئے کہ وہ ستیا وان تھا اور جو کچھ اس نے ہمارے ساتھ پرتگیا کیا

اسی طرح وقوع میں آیا مزید براں اس نے مہاپرشوں کو اپنے مقابل آکر قسم کھاتے کی دعوت دی اور سب دھرموں کے اَنشٹھ کار کو بلایا پرنتو سب بھیرو ہوکر اس ایشر یودھا و کے مقابلہ سے بھاگ نکلے۔ کیا اسی مفید اور فیصلہ کن اور یدھی کرتا چیز یعنی قسم کی جیون تت نندیا کرتا ہے اور اس پرمیشر کی حقارت جس نے ایسے ستیہ پرشوں کی اپمان سے بڑھکر مدد کرکے ہمیں اپنا ادھکار اور شکتی دکھائی ہے۔

جس طرح انسانی طبائع اور ان کی کیفیات مختلف ہیں اسی طرح مختلف باتوں اور مختلف انداز سے بیان کی ہوئی باتوں سے وہ مختلف طور پر اثر پذیر ہوتے ہیں قوائے انسانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی پُستک کے لئے جو بشری ہدایت کی کفالت کو مدعی ہے طرق مختلفہ کے ساتھ اپنے دعاوی کی صداقت کو ثابت کرنا از بس ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے توحید و رسالت کی حقانیت اپنے ایشر وچن ہونے کے برمان اور پرلوک کے جیون کی حقیقت وغیرہ امور پر مختلف منہاجوں سے بحث کی ہے اور اپنے دعاوی کو مختلف اسلوبوں سے مبرہن کیا ہے۔ پس قرآنی قسمیں بھی ان اسلوبوں میں سے ایک اسلوب ہے جس کے ذریعے سے اس نے اپنے دعاوی کو موکد و مدلل کیا ہے۔ مَیں نے اوپر بتایا تھا کہ قرآنی قسمیں اپنی ماہیت و حقیقت کے لحاظ سے انسانی قسموں سے مختلف و متغائر ہیں۔ جس کا بیان یوں ہے کہ انسان جو قسم کھاتا ہے تو محض اس قسم ہی سے اس بات کی تائید مقصود ہوتی ہے جس پر وہ قسم کھائی گئی ہے اور سوائے اس جذبۂ فطری کے جس کا اس کی طبیعت موجب ہوتی ہے کوئی مزید اور معتد بہ دلیل اس میں مخفی نہیں ہوتی برخلاف قرآنی قسموں کے کہ وہ ہمیشہ قسموں کو بطور ایک اٹل پرمان کے پیش کرتا ہے اور جس طرح کوئی انسان اپنے بیان پر کسی گواہ کو پیش کرتا ہے اسی طرح قرآن بھی قسموں کو گواہ اور شاہد بنا کے پیش کرتا ہے جس کی بیّن دلیل یہ ہے کہ قرآن نے جس چیز کی قسم بھی پیش کی ہے وہ اس چیز کی جس پر قسم کھائی گئی ہے ایک بدیہی دلیل اَتطعی شاہد ہے اور کوئی ایک قسم بھی ایسی نہیں جو اپنے مقسوم لہ کے لئے کھلی کھلی دلیل نہ ہو ہاں اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب وہ ایک شاہد اور دلیل ہے تو اس کو بطور ایک دلیل اور شاہد ہی کے کیوں نہیں پیش کیا اور قسم کے روپ میں کیوں تبدیل کی تو یاد رہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تا پڑھنے والا معلوم کرلے کہ یہ کوئی معمولی دلیل نہیں ہے جس کو سرسری غور سے دیکھا جائے اور تا طبیعت انسانی اس موقعہ پر چونک پڑے کہ اس دلیل اور شاہد کو جو موکد بقسم بنا کے پیش کیا ہے تو اس میں کوئی غیر معمولی اہمیت ہے اور قسموں کے سننے سے سلیم الفطرت انسان کا چونک پڑنا اور بیداری کی

روح کا اس میں ساری ہونا ایک طبعی امر ہے جس کو ہر ایک سمجھتا ہے۔ اس بات کی ایک اور دلیل کہ قرآنی قسمیں انسانی قسموں کی طرح نہیں ہیں بلکہ وہ بطور ایک دلیل اور شاہد کے ہیں یہ ہے کہ جس چیز کی بھی خدا نے قسم کھائی ہے وہ مرئیات محسوسات اور بدیہیات میں سے ہے اور جس چیز پر بھی قسم کھائی گئی ہے وہ غیر مرئی نظری اور صعب الادراک چیز ہے یہ اس لئے کیا ہے کہ تا ان چیزوں پر غور کر کے ان وراء اشیاء کی صداقت کو اپنے ذہنوں اور فہموں کے قریب کر سکے ورنہ اگر محض قسم والی صورت ہوتو ان عام محسوسات کی قسم کھانے کی بجائے ان غیر مدرک اشیاء کی قسم کھانی چاہیئے تھی جیسا کہ عام طور پر قاعدہ ہے پس ان علوم کے سمجھنے کے لئے جو عام طبائع پر مشکل ہوتی ہے اور جن کا ادراک آسان نہیں حسی نظاروں کو پیش کر کے اور مزید غور کے لئے قسم کا رنگ دیکر قرآن نے تشنگان ہدایت پر تفہیم کی ایک نہایت آسان راہ پیدا کی ہے۔ تمہید کو میں اور طول نہیں دیتا بلکہ اسی پر اکتفا کر کے اب ان قسموں کی نہایت اختصار کے ساتھ حقیقت بیان کرتا ہوں جن کا جیون تت نے اپنے پرچے میں ذکر کیا ہے ہاں جیون تت نے کسی موہومی فائدے کی غرض سے قرآنی ترتیب کو چھوڑ کر اپنی خود ساختہ ترتیب کے ساتھ مثالوں کو لکھا ہے لیکن میں اس سے اعراض کر کے قرآنی ترتیب کے مطابق جواب لکھتا ہوں تا قرآنی ترتیب بھی ملحوظ رہے اور سمجھنا بھی مشکل نہ ہو۔

(۱) سورہ قٓ۔ قٓ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ القیامۃُ حقٌّ یعنی قیامت کی ساعت یقیناً وقوع پذیر ہوگی جس میں انسانوں سے اپنے کرموں کی بابت باز پرس ہوگی اور ان سے مطالبہ ہوگا کہ آیا انہوں نے اس مدعا کی تکمیل کی سعی بلیغ کی ہے کہ نہیں جس کے لئے وہ پیدا کیئے گئے ہیں لیکن یہ ایک دعویٰ ہے جو ایک نظری اور غیر مرئی چیز کے متعلق ہے اس لئے اسکے ثبوت میں اس چیز کو پیش کیا جو واقعات اور مشاہدات پر مبنی ہونے کی وجہ سے قریب الفہم ہے اور جس کا ادراک انکی طبائع پر بھی کوئی مشکل پیدا نہیں کرتا وہ کیا ہے القرآن المجید یعنی جس طرح خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں نبی کریم صلعم کے فتوحات اور ترقیات کی اس وقت خبر دی تھی جبکہ بادی النظر میں انکا معرض ظہور میں آنا بالکل محال تھا کیونکہ نبی کریمؐ کی اس وقت کی حالت بلحاظ بے بسی اور بے سروسامانی کے بالکل ایک مردے کی سی تھی جو ایک زندہ کے مقابلہ میں بھی کچھ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ایک زبردست ملک کے مقابلہ میں بلکہ کل دنیا کے مقابلہ میں کچھ کر سکے۔ لیکن انجام کار وہ قرآنی خبریں وضاحت سے پوری ہوئیں کہ اغیار کو بھی علیٰ رؤس الاشہاد تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی وہ پیشگوئیاں لفظ بلفظ سچ تھیں بعینہٖ اسی طرح کوتاہ بین آنکھوں کے لئے ایک شخص کا مر کر خاک ہونے کے بعد حشر ہونا محالات میں سے ہے

لیکن قرآن کی بتائی ہوئی اسی طرح کی ایک خبر جب پوری ہو گئی تو اس ظاہری مشاہدہ اور حسی نظارہ سے اس دوسری خبر پر یقین کر لینا چاہیئے۔ پس والقراٰنِ المجید کی قسم اسی شہادت کی غرض سے ہے۔ قٓ سے قیامت مراد ہونیکی دلیل یہ ہے کہ اسی جگہ ان کا جھگڑا درج ہے ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا اَءِنَّا لَفِی خَلْقٍ جَدِیْدٍ یعنی کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جا ئینگے تو پھر دوبارہ ایک نئی پیدائش میں ہم داخل ہونگے۔ اسپر آگے چلکر طبعیات سے دلائل قائم کیئے گئے جو والقراٰن المجید میں پیش کی ہوئی بدیہی دلیل سے زیادہ باریک ہیں پھر آگے چلکر ان طبعی دلائل سے نتیجہ نکالا کہ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ یعنی اسی طرح حشر الاجساد کا نظارہ ہے۔

(۲) سورۃ الذّٰریٰت۔ اس سورۃ میں آنحضرتؐ کی ان پیشگوئیوں کی صداقت پر جو اپنے اقبال اور دشمنوں کے ادبار کی بابت ہیں۔ اور مسئلہ جزا سزا کی حقیقت پر کرۂ ہوائی کے نظام اور بارش کے نظارہ سے استدلال کر کے اظہار عظمت دلیل کے لئے بصورت قسم پیش کیا ہے آیت نمبر ۱ و ۲ و ۳ میں ہواؤں کے افعال و اثرات کو بیان کیا ہے اور نمبر ۴ میں ہواؤں کے اس کام میں ملائکہ کے اثر انداز ہونیکا ذکر فرمایا ہے اور اس سے اشارہ کیا ہے کہ جب کرۂ روحانی میں کفریات کی گرمی تیز ہو جاتی ہے تو اسی طرح غیبی انتظام کے ماتحت وحی کی بارش نازل ہوتی ہے جو نیکیوں کی ترقی اور اقبال کا موجب ہوتی ہے اور بدوں کے ادبار و تباہی کا سبب جیسا کہ باغ میں لگائے ہوئے پودے بارش کے بعد خوب نشو و نما پاتے ہیں اور خود رَو اور نقصان دہ بوٹیوں کو اکھیڑ پھینک دیا جاتا ہے۔ اے عربو! بعینہٖ اسی طرح تم لوگوں کے ساتھ اس روحانی برسات کے بعد ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔

(۳) والسماءِ ذاتِ الحبک۔ آسمان میں سورج چاند سیارے اور مختلف قسم کے ستارے ایک نامعلوم زمانہ سے اپنے چکر میں لگے ہیں۔ اور بغیر کسی فتور کے اپنے کام میں مشغول ہیں ہر روز ایک نئی راہ پر ان کی روش ہوتی ہے باوجود اس کے ان میں کوئی ازدحام یا خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ ان کے پیچھے ایک ایسی ہستی کام کر رہی ہے جو فاعل بالارادہ اور حقائق اشیاء سے خوب واقف ہے۔ اسی طرح دنیا میں ہزاروں لاکھوں راستباز انسان مصلح ہو کر خدا کی طرف سے مامور ہوئے وہ سب کے سب ایک ہی بات کہتے رہے اور ایک مقصد کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے ان سب کا مطمح نظر ایک ہی رہا جو انکے پردے میں ایک خود مختار اور حکیم وجود کے ہونیکی دلیل ہے بخلاف تم لوگوں کے جو ہمیشہ ان لوگوں کی دشمنی میں کھڑے ہوتے ہو اور اپنے مختلف منصوبوں

اور آپس کے تصادم سے خود ہی ہلاک ہوتے ہو اب بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی ہوگا اور اپنے اختلاف اور خدائے قیوم کے ارادہ کے خلاف ہونیکی وجہ سے تمہاری کوششیں کوئی ثمرہ نہیں دینگی اور یہ خدائی انسان اجرام سماوی کی طرح اپنے اثر انداز ہونے میں کامیاب ہوجائیگا جیساکہ مامورین خدا پہلے اس کے کامیاب ہوتے آئے ہیں ؎

فورب السماء والارض - یعنی آنحضرت صلعم نے جو کفار کی تباہی اور قیامت کے آنیکے متعلق ان سے فرمایا تھا وہ بالکل صحیح ہے اور ضرور پورا ہوکر رہیگا اسپر آسمان و زمین کے مالک کی قسم سے یہ مطلب ہے کہ آسمانی اور زمینی یا ظاہری اور غیبی تبدیلیاں ایسی ہو رہی ہیں جو نبی کریمؐ کے موافق ہیں باوجودیکہ ظاہری حالات کے رو سے ایسا نہیں ہونا چاہیئے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان حالات کو نبی کریمؐ کی موافقت کے لئے تبدیل کرنے کے واسطے کوئی غیبی ہستی مدد کر رہی ہے پس تم اس سے ایسا ہی یقین کرلو جس طرح کہ تم کو اپنی اس گفتگو میں یقین ہوتا ہے جو روزمرہ کے معاملات کے متعلق تم کرتے ہو کہ آخر ان تبدیلیوں کا وہی نتیجہ ہوگا جو یہ کہتا ہے۔

(۴) سورۃ الطور :- اس سورۃ میں بھی قیامت کبریٰ یعنی حشر اجساد پر اور قیامۃ صغریٰ یا اعداء کی تباہی و بربادی پر ان شواہد اور واقعات سے استدلال کیا ہے جو ان دو امور میں دلائل ہونے کے علاوہ نبی کریمؐ کی صداقت اور قرآن کریم کی حقانیت کے لئے بھی بطور خود دلیل ہیں چنانچہ فرمایا والطور یعنی قسم ہے طور کی اور طور ایک پہاڑ کا نام ہے جو عرب کے شمال مغرب میں واقع ہے اور جو کوہ سینا کے نام سے بھی مشہور ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام الٰہی سے مشرف ہوئے تھے پس حضرت محمد صلعم کا نبی بنکر مبعوث ہونا کوئی مستبعد امر نہیں ہے بلکہ یہ الٰہی سنّت کے تقاضا کے ماتحت ہے کیا تمہارے سامنے اسی طرح ایک نبی کا واقعہ گذر نہیں چکا کیا تم کو معلوم نہیں کہ کلام الٰہی کے پانے سے قبل حضرت موسیٰؑ کی حالت کس مپرسی کی تھی لیکن طور پر ربّانی مکالمہ سے شرف یاب ہونے کے بعد ایک نہایت زبردست دشمن کے مقابلہ میں ان کی وہ تائید ہوئی جو ایک غیبی طاقت کی مدد کے بغیر قطعاً محال ہے۔ پس اس نبیؐ کا بھی اسی پر قیاس کرلو۔ علاوہ اس کے طور سے یہ بھی مراد ہے کہ اُس کلام میں جو موسیٰؑ پر کوہ طور پر نازل ہُوا تھا اِس نبیؐ کی صداقت کا ذکر موجود ہے جیساکہ کتاب استثنا کے باب ۱۸ و ۳۳ میں ہم پڑھتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ محض اٹکل سے ایک شخص قریباً دو ہزار سال پہلے ایک واقعہ کا بیان دے اور وہ اسی طرح پورا ہو جبتک کوئی عالم الغیب ہستی اس خبر کی اصل مخبر نہ ہو۔ وکتاب مسطور

یعنی قسم ہے اس کتاب کی جو لکھی جاتی ہے یعنی قرآن۔ کیونکہ وہ بھی اپنی بے نظیر تعلیم اور معارف کی وجہ سے اور علوم غیب پر مشتمل ہونیکی وجہ سے اور باوجود تحدی کے عرب کے فصحاء کے عاجز آجانیکی وجہ سے اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی محمد صلعم کی اپنی تدبیر اور منصوبہ کا یہ نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس ہستی کا کلام ہے جو خود بے نظیر ہے۔ **والبیت المعمور** اور قسم ہے اس گھر کی جو بھرا ہوا ہے یعنی بیت اللہ جو تین سو ساٹھ بتوں سے بھرپور تھا اور نبی کریمؐ کی پیش خبری کے مطابق فتح مکہ ہو کر بتوں سے پاک کیا گیا اسی طرح دوسری خبر کا بھی نتیجہ ہوگا* **والبحر المسجور** اور قسم ہے بحر مسجور کی یعنی اس واقعہ کی جو موسیٰؑ اور فرعون کے ساتھ بحر قلزم میں ہوا یا فتح مکہ کے بعد کفار کے ساتھ ہوا جب وہ جہازوں میں سوار ہو کے فراری ہوئے اور غرق ہو کر لقمۂ سمندر بنے کہ یہ انجام جو مخالفین انبیاء کا ہے یہ بھی قیامت کے متعلق جو خبر دی گئی ہے اسکی صداقت پر شاہد ہے۔

(۵) **سورۃ النجم**۔ **والنجم** یعنی ثریا ستارے کی عرب پانی وغیرہ کی تلاش میں اکثر راتوں کو سفر کیا کرتے تھے اور وہاں باقاعدہ سڑک وغیرہ کا انتظام نہیں تھا اور اس وقت یہی ستارہ ان کا بدرقہ اور راہ نما ہوتا تھا جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے وبالنجم ھم یھتدون یعنی ثریا ستارے کے ساتھ وہ راہ پاتے ہیں۔ لیکن ثریا کے ساتھ راستوں کا معلوم کرنا اسی وقت تھا جبکہ وہ سمت الرأس پر نہ ہو بلکہ مشرق یا مغرب کی جانب ہو اسی لئے فرمایا اذا ھوی یعنی جبکہ وہ اوپر آرہا ہو یا ڈھل رہا ہو کیونکہ عربی میں ھوی ان دونو معانی کے اظہار کے لئے آتا ہے پس جب تمہاری جسمانی رہنمائی کے لئے خدا نے سامان تیار کیا ہے اور بغیر اسکے تم راہ نہیں پاتے تو کیا تمہاری روحانی رہنمائی کے لئے جو زیادہ ضروری اور اہم ہے خدا کوئی سامان نہیں پیدا کرتا پس اس تمہاری جسمانی احتیاج سے تم اس دینی ہادی کی اہمیت کو معلوم کر سکتے ہو پھر کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہیں اس وقت ضرورت نہیں تو اپنے اخلاق کی طرف ذرا دیکھو جب یہ بات بھی مسلم ہے تو پھر یہی بات رہ گئی کہ آیا یہ رسول سچا ہے کہ نہیں۔ اس کے لئے تم اسکے متبعین کو دیکھ لو کہ آیا واقعی وہ راہ پا کر اخلاق فاضلہ سے وافر طور پر بہرہ ور ہو گئے ہیں کہ نہیں۔ اگر ہو گئے ہیں تو پھر جس طرح ثریا سے تم لوگ راستہ معلوم کر لیا کرتے ہو اسی طرح

---

* **والسقف المرفوع** اور قسم ہے اس چیز کی جو بلند ہے اور بطور چھت کے ہے یعنی آسمانی تائیدات غیر معمولی امور اور غیر اسبابی ذرائع فتح کے جو زمینی کوشش و سامان کا نتیجہ نہیں ہے یہ سب اس رسول کے موافق وقوع ہو رہی ہیں یہ بھی دلیل صداقت ہے زمینی حفاظت آسمان سے ہے اس لئے چھت کہا۔ منہ

اس شخص کے ذریعہ سے بھی صحیح راہ معلوم ہو گئی تو پھر اس کے ہادی ہونے میں کیا شک رہ گیا۔

(۶) **سورۃ الواقعہ**:- اس سورۃ میں قرآن مجید کی عظمت اور دلوں پر اسکے اثر ڈالنے کی کیفیت اور انسان میں اس سے جو تغیر پیدا ہو جاتا ہے یعنی با اخلاق اور باخدا انسان بنجاتا ہے اسکی حقیقت کا اظہار مقصود ہے۔ عرب کے لوگ علم النجوم میں خاص دلچسپی رکھتے تھے اور یہ اعتقاد ان میں خوب راسخ تھا کہ انسانی افعال میں ستاروں کے اثرات کو بہت بڑا دخل ہے اس لئے ان سے کہا گیا ہے کہ تم لوگ ستاروں کی عظمت اور اس کے فوائد کے قائل ہو اس لئے کہ جب وہ مختلف برجوں میں ہوتا ہے یا اپنے چکر میں کسی کسی خاص خاص مقام میں پہنچتا ہے تو اپنا خاص خاص اثر ظاہر کرتا ہے اور اس اثر سے تم لوگ اس موثر چیز یعنی ستارے کے وجود کی حقیقت اور اسکی ضرورت کو تسلیم کرتے ہو جب یہ بات ہے تو تم خود ہی غور کرو کہ تمہیں لوگوں میں سے جس کے دل پر یہ قرآن اثر انداز ہوا ہے اس کی حالت اس دوسرے شخص کی حالت سے جو اس سے متاثر نہیں ہوا کس قدر متغائر ہے جب اپنے اثر کے لحاظ سے بڑا اس قدر مفید اور عظمت والی چیز ثابت ہوئی تو تم اسکے کریم ہونے سے کیونکر انکار کر سکتے ہو۔ کتاب مکنون سے مراد کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جیسا کہ جیون تت سمجھتا ہے تا اس پر کسی لوٹے کی ضرورت پڑے بلکہ کتاب مکنون سے مراد وہ علم الٰہی ہے جو ازل سے اس کو ہے جو اس کی صفت لاینفک میں شامل ہے اور کسبی نہیں ہے۔ لا یمسّہٗ الا المطھرون سے مراد فرشتے نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے خواہاں ہیں اور تعصب و تمسخر ان کا شیوہ نہیں ہے بلکہ وہ سعید روح رکھتے اور اس کی صداقت کو تسلیم کر کے اس کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۷) **سورۃ القلم**:- اس سورۃ میں نبیٔ مقبول صلعم کے مجنون نہ ہونے پر اور راستباز انسان ہونے پر نہایت قوی دلائل پیش کئے گئے ہیں اور پہلی دلیل کو دوات قلم اور تحریر کی قسم کی صورت میں بیان فرمایا ہے کہ قسم ہے دوات کی جو لوازمات کتابت کی جزو اعظم ہے اور قسم ہے قلم کی جو اسکی دوسری بڑی جزو ہے اور پھر قسم ہے اس تحریر کی جس کو ان دونوں کی مدد سے لوگ لکھتے ہیں کہ تو خدا کے فضل سے ہرگز مجنون نہیں ہے یعنی دنیا کے نامور اطباء اور فاضل حکماء اگر بیٹھکر جنون کی تحقیق کریں اور اس کے اسباب اور علامات لکھیں اور اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ آیا تجھ میں جنون کا کوئی شائبہ ہے کہ نہیں تو وہ ہرگز اس بات کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچا سکینگے کہ تو اس عارضہ میں مبتلا ہے ایسی صورت میں ان مخالفین کا یہ کہنا کہ انّہٗ لمجنون متعصبانہ اتہام سے بڑھ کر کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اور نیز اس طور سے بھی یہ آنحضرت صلعم کے مجنون نہ ہونے کی دلیل ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے ادباء اور

فضلاء موجود ہیں جو اپنی تحریروں سے اپنی فضیلت اور علمیت کا ثبوت دیا کرتے ہیں ان تحریروں کو سامنے رکھو اور پھر قرآن مجید سے ان کا موازنہ کرو کیا کسی مجنون کی تحریر ایسی پُر حکمت اور صداقت سے لبریز علوم و معارف کی لہروں سے موجزن جیسی یہ ہے پائی جاسکتی ہے جب کُل تحریرات کے مقابلہ میں اس کا پایہ اعجازی مقام پر پہنچا ہوا ہے تو ایک بیرک انسان کیونکر یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ اس کلام کا لانے والا عیاذاً باللہ مجنون ہے۔ مزید تائید کے لئے آگے اور تین زبردست دلائل بیان فرمائے جن کو بخوف طوالت چھوڑتا ہوں۔

(۸) سورۃ الحاقۃ:۔ اس سورۃ میں قرآن مجید کے ایک معجزانہ الہی اور مکرم ہونے کے واسطے سے نبی مقبول تک پہنچنے کی حقیقت اور دلیل کو اس قسم کے ذریعہ سے واضح فرمایا کہ فَلَا اُقسِمُ بِمَا تُبصِرُونَ وَمَا لَا تُبصِرُونَ یعنی قسم ہے اس چیز کی جس کو تم دیکھ سکتے ہو اور اس چیز کی جس کو اپنی ظاہر بین آنکھوں سے تم نہیں دیکھ سکتے کہ یہ رسول کریم یعنی جبریل کا لایا ہوا قول ہے۔ دنیا میں تمام چیزوں میں علت اور واسطہ کا سلسلہ موجود ہے لیکن بعض چیزوں کی علت آسانی سے معلوم کی جاسکتی ہے بعض کی نہیں اسی طرح ایک چیز کے دوسری میں اثر انداز ہونیکے لئے اور ایک کے دوسرے کو لازم ہونے کے لئے درمیان میں کوئی مناسبت اور اتحادی واسطہ ہوتا ہے۔ اس بات کو تو تم لوگ مانتے ہو کہ یہ شخص (محمد صلعم فداہ روحی) ان پڑھ اور اُمّی ہے اور بطور خود ایسا کلام نہیں بنا سکتا بلکہ اس کے اور اس کے کلام کے درمیان کوئی اور شخص ذریعہ بنا ہوا ہے لیکن کیا وہ واسطہ اور ذریعہ جیسا کہ تمہارا خیال ہے کوئی جھوٹا اور مکار ہو سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں وَمَا هُوَ بِقَولِ شَاعِرٍ یہ کسی کاذب مکار کا کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ بموجب ع جو دل سے نکلتی ہے زبان پر بھی عیاں ہے۔ قرآنی مضامین اس خیال سے بالا ہیں پھر کیا کسی اٹکل باز اور جفری کا کلام ہو سکتا ہے نہیں وَلَا بِقَولِ كَاهِنٍ کسی کاہن کا کلام بھی نہیں ہو سکتا کاہن کا کلام ایسا کب ہوتا ہے کہ جو خبر بھی اس میں دی گئی اور اس وقت دی گئی جبکہ اس کا وقوع پذیر ہونا ظاہراً غیر ممکن تھا وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئی پھر ایسا معارف علوم اور دلائل سے لبریز کلام ایک کاہن کیونکر بنا سکتا ہے جب یہ باتیں قابل تسلیم نہیں تو تم غور کرو کہ اس شخص نے کس کے واسطے اور ذریعے سے اس کلام کو بنایا ہے اور اس غور کے لئے تم ان تمام واسطوں کو دیکھو جو مشہود اور محسوس اور بدیہی ہیں اور ان واسطوں پر بھی نظر تعمق ڈالو جو غیر مرئی دقیق اور غیر مشہود ہیں پھر سوچو کہ کیا جس کے ذریعہ سے اس اُمّی شخص نے اس کلام کو بنایا ہے وہ کوئی زمینی وجود ہو سکتا ہے۔ یہ کلام تو خود ہی (بقول شخص کہ مشک آنست کہ

خود ببوید نہ کہ عطار بگوید - اپنی صفت اور خوبی سے اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ایک رسول کریم کے ذریعہ یہ اُترا ہے -

(۹) سورۃ تکویر - فلا اقسم بالخنّس الجوار الکنّس - ان آیات میں خدا تعالیٰ نے قرآن کی ضرورت اور صداقت کو نظام شمسی یا سولار سسٹم ( ) کے نظارۂ انتظام و اتحاد کو بصورت قسم پیش کر کے ثابت کیا ہے - عالم فلکیات یا جوتش ودیا کے ماہر پر یہ بات مخفی نہیں کہ سبع سیارہ یعنی سات گرہ یا دو اُپد گرہ کو ملا کر نو گرہ یعنی منگل - بُدھ - برہسپتی - شکر - سنیچر وغیرہ جب اپنے راس منڈل یا منطقۃ البروج میں گردش کرتے ہیں تو عجیب حیرت انگیز سین دکھایا کرتے ہیں وہ بعض دفعہ اپنے راشوں پر مشرق کی طرف سے مغرب کی طرف ایک ترتیب کے ساتھ چل رہے ہوتے ہیں یعنی پہلے میکھ راس کو طے کرتا ہے پھر برکھ راس پر پہنچتا ہے اور وہاں سے متھن پھر وہاں سے کرک تک کہ یکایک ان کی رفتار رک جاتی ہے اور پھر اُلٹے مشرق کو چلتے نظر آتے ہیں - ان کی اس مختلف رفتار کی وجہ سے اس سورۃ میں ان کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا ہے یعنی اس پہلی چال کی وجہ سے ان کا نام جواری رکھا گیا اور دوسری چال کی وجہ سے خنّس کہا گیا یعنی اُلٹے چلنے والے اور پھر ہم سے غائب ہو جانے کی وجہ سے کنّس کا نام دیا گیا یہ سماوی نظارہ اور مشہودہ فلکی نظام اور ان سیاروں کی یہ رفتار و تغیّرات بالبداہت اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ خود بخود نہیں بلکہ ان کے پیچھے ایک قادر اور فاعل بالارادہ ہستی ہے جو ان تمام اجرام اور ان کے باہمی انتظام میں حسب منشاء اپنا تصرّف کرتی ہے - جب اس نے ان سیّاروں کو اس عجیب چال کے ماتحت ہمارے جسمانی ضروریات کے انصرام اور تکفل کے لئے بنایا اور ان میں یہ طاقت ودیعت کی کہ وہ زمین اور اہل زمین پر اپنا اثر ڈالیں اور نباتات وغیرہ کو اس قابل بنائیں کہ انسان اس سے حسب ضرورت استفادہ کر سکیں جیسا کہ ایک جوتش ودیا کے ماہر پر بلکہ ایک طالب علم پر جو جغرافیہ پڑھتا ہو پوشیدہ نہیں تو کیا اس کرپالو کی رحیمیّت کا یہ تقاضا نہیں ہونا چاہیئے کہ روحانی اور آتمک زندگی کے لئے جو ابدی اور غیر فانی ہے اپنے القائے خاص سے ہدایت کا سامان عطا فرمائے حالانکہ وہ دھرتی جیوت جسکے لئے ان سامانوں کو پیدا کیا ہے فانی اور امت والی ہے - پھر اس دلیل سے واضح اور اقرب الی الفہم ایک اور دلیل کو یوں بیان فرمایا کہ واللّیل اذا عسعس - - - - والصّبح اذا تنفّس یعنی قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگتی ہے اور صبح کی جبکہ وہ نمودار

ہونے لگتی ہے یعنی جس طرح شب تاریک ایک عرصہ تک رہ کر پھر صبح کے وقت روشنی نمودار ہوتی ہے اسی طرح دنیا میں خدا کا ہادی اور خدا کا کلام نازل ہوتے ہیں جب دنیا ادھرم اپنائے اور ظلمت سے تاریک ہو جاتی ہے اور وشواس اور ابھکتی کی رات چھا جاتی ہے تو پرمیشر کے گیان کا پرکاش پرتھوی پر اُترتا ہے اور کوئی بھگوان کا اوتار دھاری ستیہ پرکاش کا دیا لیکر لوگوں کو صحیح راہ دکھانے کے لئے آتا ہی قرآن مجید بھی اسی طرح آیا ہے اور ٹھیک اس سما میں اُترا ہے جبکہ دنیا کی حالت بالکل ایک اندھیری رات کی طرح تھی اور صداقت کی روشنی ستیہ وشواس کا پرکاش نام کو بھی نہ تھے پس اس طبعی اور محسوسہ نظارہ سے اس کلام کے منجانب اللہ ہونے کو کیوں اتومان نہیں کرتے۔ بالخنّس پر جیون تت نوٹ دیکر لکھتا ہے، کہ "کیا خدا کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ ستارے چلتے چلتے نہیں چھپ جاتے بلکہ زمین کی گردش کی وجہ سے ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے" جیون تت کو یاد رہے کہ یہ خدائے اندریامی کی بے علمی نہیں کیونکہ وہ تو سرب گیانی ہے بلکہ جیون تت کے دشٹھ اور ویراگیہ کا پرتی بمبھ اور پرتو ہے سورج ڈوب گیا کا محاورہ کیا روزمرہ وہ نہیں بولا کرتا۔ پھر کیا ایسے سیارے نہیں جو محض زمین کی گردش کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اپنی گردش اور رفتار کی وجہ سے ہم سے غائب ہو جاتے ہیں اس پر مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں

(۱۰) **سورۃ طارق**:۔ اس سورۃ میں پہلی قسم جس امر کے اثبات کے لئے بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کل نفس لمّا علیھا حافظ یعنی ہر ایک نفس اور جیو کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر ہیں اور اس پیرایہ میں دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت نبی مقبول صلعم کی حفاظت کا اللہ تعالےٰ نے خاص طور پر انتظام فرمایا ہے اور آپ ملائکہ کے زیر حفاظت خاص طور پر ہیں اس لئے کوشش منشیہ شکتی آپ پر قابو اور غلبہ نہیں حاصل کر سکتی چنانچہ آگے جاکر فرمایا انھم یکیدون کیدا و اکید کیدا یعنی یہ لوگ تیری ہلاکت اور ناش کرنے کے لئے تنتر اور تدبیر کرتے ہیں لیکن ان کی تدبیروں کو خاک میں ملانے کے لئے میری تدبیر بھی لگی ہوئی ہے۔ لیکن جب فرشتوں کا وجود ہی غیر مرئی اور ستھول نیتروں سے پوشیدہ ہے تو ان کی حفاظت کا کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے قانون اور نیم کو جو آکاش منڈل میں پایا جاتا ہے بطور ساکشی کے قسم کے پیرایہ میں پیش کیا اور وہ یہ کہ پرمیشر کا جو نیم پرکرت میں پایا جاتا ہے اس سے پرت اکش ہوتا ہے کہ چاند سورج اور ستارے اور جو کچھ بھی اس پول میں موجود ہے جیسے دیو وغیرہ یہ سب انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں مختلف طور پر ان کے ذریعے دکھوں سے رکشا حاصل کیا جاتا ہے اور مختلف طریقوں سے وہ اپنے گن کے ذریعے ہمیں مستفید بناتے ہیں خاص کر رات کے وقت جو ستارے نمودار ہوتے ہیں جنگل سنسان اور اندھیرا

بیابان کے یاتری اور سمندر کے مسافر ان کی روشنی سے بڑا ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں اور رات کے وقت ہر نجم ثاقب راہنمائی کرکے جان کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ چیزیں جو آکاش منڈل میں پائی جاتیں ہیں ایک آن کے لئے بھی شرط حفاظت کی بجا آوری سے کوتاہی کریں تو انسانی زندگی ایک طرفۃ العین کے لئے بھی محال ہو جائے۔ اناج و پھل کا پکنا۔ پانی کا بہم پہنچانا۔ تنفس کے لئے ہوا کا میسر ہونا۔ قوت شنوائی کی مدد قوّت بینائی کے لئے روشنی کا وجود حرارت مطلوبہ کا ملنا۔ برودت مہلکہ کا ازالہ سب کچھ اسی انتظام پر موقوف ہیں جسمانی حفاظت کا اس قدر خیال رکھنے والا رحیم خدا کیا روحانی حفاظت کا سامان بھی اس نے مہیّا کیا ہے وہ کیا ہے وہ ملائکہ کی ہستی ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ قسم ہے آسمان کی یعنی کرۂ زمہریر کی جو لوٹانے والا ہے یعنی بخارات مائیہ کو جو آفتاب کی حرارت کے ذریعے اوپر جاتے ہیں اور پانی کی صورت میں دوبارہ زمین پر اُترتے ہیں اور قسم ہے زمین کی جو اس پانی سے متاثر ہو کر اپنے اندر جو بیج ہے اس کو پھاڑتی ہے اور ہریاول کی صورت میں باہر لاتی ہے کہ یہ قرآن حق و باطل میں فیصلہ کرنیوالا ہے اور جو کچھ اس میں بیان ہُوا ہے وہ دلائل اور صداقت سے موکّد اور موثق ہے لغو اور ہزل نہیں ہے صورت استدلال بایں طور ہے کہ کلام الٰہی کا نزول بھی بارش کا رنگ رکھتا ہے۔ جس طرح پر امساک بارش کے وقت خواہ مخواہ بارش کی آرزو ہوتی ہے اور آخر اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے اسی طرح پر روحانی بارش بھی ہوتی ہے پس تمہاری روحانی حالت بھی ایک پانی کی محتاج تھی۔ اور تمہاری گفتار و کردار کی ناگفتہ بہ کیفیتیں عالم بالا میں پہنچکر روحانی پانی کے لئے التجا کرتی تھیں اب جبکہ بارش ہو گئی تو ہر قسم کے پودوں کا زمین سے ظاہر ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ ذات الصدع ہے۔ اس بات کی تمیز کہ مالک کا پودہ ان میں سے کونسا ہے اور مفید بوٹا کونسا اس باغ کے مالک کے فعل سے آشکارا ہو سکتا ہے جو مفید اور اسکے ہاتھوں سے لگائے ہوئے پودے ہونگے وہ ان کی حفاظت کریگا اور ہر طرح اس کی نشو و نما کا انتظام کریگا اور دوسرے کو اکھیڑ پھینکیگا۔ چنانچہ نبی کریمؐ اور آپکے مخالفین کے درمیان اس فرق کو ایک عالم نے دیکھا اور دیکھ رہا ہے۔

(۱۱) **سورہ فجر**:۔ اس سورۃ میں آنحضرت صلعم کے اعداء پر پُرشوکت پیشگوئی کے ذریعہ حجت کی ہے اور ان کے خطرناک عذاب میں مبتلا ہونیکی خبر دی ہے اور اس کے لئے دو قسم کے دلائل بیان ہوئے ہیں ایک قسم کے رنگ میں اور ایک واقعات گذشتہ کے نظائر پیش کر کے دلیل اوّل کو یوں شروع کیا وَالْفَجْرِ وَلَیَالٍ عَشْرٍ سے مراد انجام حج کی دس راتیں ہیں پھر شفع اور وتر سے مراد عرفات کی طرف جانے والے حاجی ہیں جو جفت و طاق ہو کر چلتے ہیں اور وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ سے

وہ آخری رات ہے جس میں ارکان حج ختم ہوتے ہیں۔ عرب کے لوگ حج کو نہایت ضروری عبادت مانتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام نے بیت اللہ کی تعمیر کر کے بمنشاء ایزدی ہر ایک کو حج کا حکم دیا ہے اور اسی لئے وہ اپنے آپ کو ملّت ابراہیمی کے پیرو کہتے تھے یہاں پر ان کو سُنایا جاتا ہے کہ اگر واقع میں یہ سب مسلّم اور صحیح ہے اور اس میں شک نہیں کہ ضرور ہے تو ہم اسی کو بطور دلیل پیش کر کے کہتے ہیں کہ تم اس نبی کا انکار کرتے ہو اور بجائے ایمان لانے کے ایذائیں پہنچاتے ہو اور توحید پرستی کی بجائے بُتوں کے آگے جبیں سائی کرتے ہو تو یاد رکھو کہ ایک دن یہ سارا انتظام باوجود تمہاری انتہائی مخالفت کے اس شخص کو دیا جائیگا جو اسکے حقیقی ابراہیمی ہونے کی دلیل ہے اور تم ذلیل و خوار ہو کر یہاں سے بدر کر دیئے جاؤ گے اور تم بربادی کے مورد بنو گے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ مامورین کی .... مخالفت کی وجہ سے عاد و ثمود جیسے زبردست لوگوں کا کیا انجام ہوا تھا جو اسی جزیرۂ عرب کے کناروں پر بسنے والے تھے اور فرعون جیسے جاہ و جلال والا بادشاہ کا کیسا خاتمہ ہوا تھا جو عرب کے قریب کے ملک کا رہنے والا تھا۔ جب انبیاءؑ کی مخالفت کا ان کو یہ ثمرہ ملا جو عقلمندوں کے لئے قابل عبرت ہے تو مکّہ میں رہتے ہوئے جو حرم اور امن کی جگہ ہے جہاں جانوروں کی ایذا رسانی بھی منع ہے نبی کی مخالفت کر کے کیونکر تم عذاب الٰہی کے پنجے سے بچ سکتے ہو۔ بالآخر مکّہ والوں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ فتح مکّہ کے بعد بیت اللہ کی حکومت کیونکر ان سے سلب ہو گئی اور کس شان کے ساتھ یہ پیشگوئی صداقت محمدیہ پر مُہر لگا گئی جس میں گذشتہ قومیں عذاب الٰہی کا شکار بنیں تھیں تا ان کے دل متاثر ہو کر نخوت و تعصّب کو ترک کریں اور سوچنے کے قابل ہو جائیں ان کی تباہی کا ذرا تفصیلاً ذکر کیا اور قسمیہ شہادت والفجر سے شروع کیا (اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ علی العموم عذاب الٰہی کا وقت صبح کا ہوتا ہے) یعنی یاد کرو وہ فجر کی گھڑی جس میں اکثر مخالفین انبیاء پر ان کی بدکرداریوں اور شرارت کی وجہ سے تباہی آیا کرتی ہے اور سوچو اس ساعت کو جس میں قوم لوط مخالفت نبی کی پاداش میں مورد عذاب بنی تھی جیسا کہ ان کی نسبت سورہ ہود میں آیا ہے اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ یعنی انکی ہلاکت کا وقت مقررہ صبح تھا وَلَيَالٍ عَشْرٍ یعنی یاد کرو ان دس راتوں کو جن میں فرعونیوں کا خاتمہ بالشر ہوا اور بنی اسرائیل نے نجات پائی وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ یعنی قسم ہے جفت و طاق کی یعنی ان سات راتوں اور آٹھ دن کی جن میں عاد ثانی پر عذاب الٰہی آیا تھا جیسا کہ اس واقعہ کو سورہ الحاقہ میں یوں بیان کیا ہے کہ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ یعنی قوم عاد باد تند کے ذریعے ہلاک کی گئی تھی

جوانپر سات رات اور آٹھ دن تک رہی وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ یعنی یاد کرو اس رات کو جبکہ قوم ثمود پر عذاب آیا اور رات ابھی باقی تھی پھر تین دن کے اندر وہ تباہ و نابود ہو گئی۔ کیا اِن واقعات سے تم لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے اور ابھی تک مخالفین انبیاء پر نزول عذاب کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہو۔ آگے مزید وضاحت کے لئے بعض مثالوں کو ذرا کھول کر بیان فرمایا اور ان پر حُجّت پوری کی۔

(۱۲) **سورۃ بلد**:- اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ مکہ والوں کو سناتا ہے کہ میں نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اپنے قرب میں جگہ دینا چاہا ہے اور اس قرب کے قابل بنانے کے لئے اس پر کچھ فرائض و حدود مقرر کیئے ہیں۔ لیکن ان حدود و فرائض سے آگاہ کرنے کے لئے جو شخص خدا کی طرف آیا ہے تم اسکے قتل کے درپے ہوئے ہو پس یاد رکھو کہ تم اسکے غضب کے مورد بنکر عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ کیا اس وجہ سے تم اس قدر بیباک ہوئے ہو کہ تم پر کوئی قابو اور غلبہ نہیں پا سکتا کیا تم سے قوی تر لوگ خدائے قادر کو خشمگیں بنا کر طعمۂ ہلاکت نہیں ہوئے جو تم بچ جاؤ گے سو ضرور تم پر عذاب آئیگا لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ مگر جب تک محمد (صلعم) یہاں ہے اس کے احترام کے لئے ہم تمہیں ڈھیل دیتے ہیں لیکن ترک شرارت کی بجائے اگر تم اسی طرح شرارت پردازی اور سرکشی میں بڑھتے گئے تو عذاب کے مورد بنو گے۔ تمام لوگ جو تاریخ سے ذرا بھی واقفیت رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ یہ واقعہ لفظ بلفظ اسی طرح پورا ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ یعنی قسم ہے والد و مولود کی یہ ایک عام انسانی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ والدین اور مولود کو کس قدر تکالیف اور مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں یہ دلیل ہے اس امر کی کہ واقعی انسان رنج و مشقت میں پیدا کیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ مکلّف ہے اور اس پر حدود و فرائض ہیں پس ان کی بجا آوری اس کا فرض ہے جبکہ ایسی حالت و صورت ہے تو انسان کا یہ گمان کرنا کہ اس پر کوئی قابو نہیں پائیگا اس کی غلطی ہے انسان اپنی شوخی اور بے باکی کی حالت میں اپنے مال و زر پر بھروسہ کرتا ہے مگر جب خدا کا ہاتھ قابو پاتا ہے تو تمام تدابیر ہیچ اور رائگاں جاتی ہیں۔

(۱۳) **سورۃ شمس**:- وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا الخ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نفس انسان اور پھر اس کے بے نہایت خواص فاضلہ کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں تو کسی کو شک نہیں کہ سورج اس کی دھوپ اور چاند جو اپنا نور اس سورج سے حاصل کرتا ہے موجود ہیں اور روز روشن بھی سب کو نظر آتا ہے اور رات بھی سب کو دکھائی دیتی ہے اور

آسمان کا پول بھی سب کی نظر کے سامنے ہے اور زمین تو خود انسانوں کی سکونت کی جگہ ہے۔ اب چونکہ یہ تمام چیزیں اپنا اپنا کھلا کھلا وجود اور خواص رکھتی ہیں اور ان میں کسی کو کلام نہیں اور نفس انسان کا ایسی چھپی ہوئی اور نظری چیز ہے کہ خود اس کے وجود میں ہی صدہا جھگڑے برپا ہو رہے ہیں بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ نفس یعنی روح انسان بھی کوئی مستقل اور قائم بالذات چیز ہے جو بدن کی مفارقت کے بعد ہمیشہ قائم رہ سکتی ہے اور جو لوگ نفس کے وجود اور اس کی بقا اور ثبات کے قائل ہیں وہ بھی اس کی باطنی استعدادات کا وہ قدر نہیں کرتے جو کرنا چاہیئے پس اول اس نئے خیالات کو رجوع دلانے کیلئے شمس اور قمر وغیرہ چیزوں کے متفرق خواص بیان کرکے پھر نفس انسان کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ جامع ان تمام کمالات متفرقہ کا ہے اور جس حالت میں نفس انسان میں ہی سب سے اعلیٰ درجہ کے کمالات اور خاصیات بتمامہا موجود ہیں جو اجرام سماویہ اور ارضیہ میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں تو ایسے عظیم الشان اور مستجمع کمالات کی نسبت یہ وہم کرنا کہ وہ موت کے بعد کچھ نہ رہیگا کمال درجہ کی نادانی ہے۔ پس سورج اور دھوپ کی قسم کھانے سے مراد یہ ہے کہ یہ دو تو انسانی نفس کے قائم بالذات اور موجود بالذات ہونیکی دلیل ہے۔ اسی طرح چاند اور اس کی پیروی کی قسم کھانے سے مراد یہ ہے کہ چاند اپنی خاصیت کے ساتھ کہ وہ سورج سے بطور استفادہ نور حاصل کرتا ہے نفس انسانی کے موجود بالذات ہونے کا شاہد حال ہے کیونکہ جس طرح چاند سورج سے اکتساب نور کرتا ہے اسی طرح نفس انسان کا جو مستعد اور طالب حق ہے ایک دوسرے انسانِ کامل کی پیروی کرکے اسکے نور میں سے لے لیتا ہے اور اس کے باطنی فیض سے فیضیاب ہوتا ہے۔

اس سورۃ کی باقی قسمیں بھی اسی طرح کے مطالب کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

(۱۴) **سورۃ لیل** :- اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کو اسکے اعمال کے مطابق جزا ملتی ہے کفار مکہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم جو خدا کے نبی کی مخالفت پر تلے ہوئے ہو اپنی جگہ بہت کچھ کوششیں کرتے ہو اور ادھر ایک رسول ہے جو تمہارے برخلاف وعظ کرتا رہتا ہے اب دونو کا انجام یکساں نہیں ہوسکتا جس کے ساتھ صداقت ہوگی وہ جیت جائیگا اور دوسرے کی کوشش رائیگاں جائیگی۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ تم اور وہ ایک ہی قسم کے ثمرات حاصل کرو جو متقی اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والے ہیں وہ کامیاب ہونگے اور وارث جنات ہونگے اور منکر بخیل جہنم میں جائینگے وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى رات کے کام الگ اور اس کی تاثیریں الگ اور دن کے کام الگ اور ان کے نتیجے جدا ہیں کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا کام جو اچھی طرح دیکھ کر روشنی میں کرتا ہے اور اس شخص کا کام جو اندھیرے میں بغیر دیکھے اندھوں کی طرح کرتا ہے برابر ہو جب ایسے دو انسانوں کا کام یکساں

نہیں ہو سکتا تو انکا نتیجہ کیونکر مساوی ہو سکتا ہے پس اسی طرح سراج نبوت کے طلوع ہونے کے بعد اسکی روشنی میں علیٰ وجہ البصیرۃ کام کرنے والا اور کفر و شرک کی ظلمت میں کام کرنے والا ایک طرح نہیں ہو سکتے وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ جب جسمانی فرق کی وجہ سے عورت مرد کا کام یکساں نہیں تو روحانی امتیاز کی وجہ سے ایک مومن اور کافر کے اعمال اور پھر اس کے نتیجے میں کس قدر فرق ہونا چاہیئے۔

(۱۵) **سورۃ تین**:۔ اس سورۃ شریفہ میں اس امر پر دلائل بیان ہوئے کہ انسانی پیدائش کی غرض جانوروں کی طرح کھا پی کر دنیاوی عیش و تنعم میں مستغرق رہنا نہیں ہے بلکہ رضائے الٰہی اور خدا کی معرفت کا حصول ہے اور اس غرض کی تکمیل کے لئے رحمانی صفت کے تقاضا کی بنا پر اس نے سامان مہیا فرمایا ہے لیکن انسان اپنی نفسانی جوش اور نفس امارہ کی اطاعت میں اس غرض کی تکمیل کے لئے کوشش کرنے کی بجائے اس سے اعراض کر کے ایسے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے جو اس کو ہلاکت اور لعنت کے گڑھے میں لے گرتے ہیں چنانچہ فرمایا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ۔ یعنی ہم نے انسان کو عمدہ سے عمدہ ترکیب پر پیدا کیا پھر (اس کی نافرمانیوں کی وجہ سے) اسے نیچے سے نیچے حصے میں پھینکدیا۔ لیکن اس امر کی دلیل کہ خدا نے انسان کو اسی اعلیٰ غرض کے حصول کے لئے پیدا کیا ہے بر نگ قسم یوں دی کہ والتین والزیتون وطور سینین وھٰذا البلد الامین یعنی یاد کرو جب مسیح علیہ السلام دنیا میں ہدایت لیکر آئے کیا وہ احسن تقویم میں نہ تھے اور وہ لوگوں کو اس بات کی طرف نہیں بلاتے تھے کہ خدا کی رضا اور اسکی معرفت حاصل کرنے کی وہ کوشش کریں پھر دیکھو کہ ان کے خلاف چلکر ان کے اعداء اسفل سافلین میں نہیں پہنچے؟ اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے تین اور زیتون کا لفظ اس لئے رکھا کہ وہ پہاڑ جس پر یروشلم کا شہر آباد ہے اس کے دو ٹکڑے ہیں ایک کو ابھی تک زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں اور دوسرے کو تین کہتے ہیں اور ساعیر اور سعیر ان دونوں کے مجموعہ کا نام ہے جس کے متعلق تورات میں یہ پیش گوئی تھی کہ خداوند سعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ وطور سینین اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام خدا کی طرف سے ہدایت لیکر آئے تھے جو مسیح سے بڑھکر اس بات کی دلیل تھے کہ خدا نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے پھر کیا انہوں نے لوگوں کو ان کی پیدائشی غرض جتا کر احسن تقویم میں لیجانے کی کوشش نہیں کی اور ان کے مخالفین الٰہی ارادے کے خلاف چلکر قعر اسفل میں گر کر تباہ نہیں ہوئے۔ اب بھی تمہیں شک ہے کہ خدا نے تمھیں یوں ہی نہیں پیدا کیا اور اس دلیل کی طرف طور سینین کے لفظ سے اشارہ کیا جو ایک واضح امر ہے کیونکہ طور وہ پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام اپنے مالک اور بھیجنے والے سے ہمکلام ہوئے تھے اور سینین اسی کا نام ہے انہیں کے بارے میں تورات میں

یہ لکھا ہے کہ خداوند سینا سے آیا۔ وھٰذا البلد الامین۔ پھر اپنے اس امین شہر کو ذرا دیکھو اسکا بانی یعنی حضرت ابراہیمؑ جو موسیٰؑ سے بھی بڑھکر اس بات کا نمونہ تھے کہ خداوند کریم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے، اور اس کی ترقی کا سامان بھی بہم پہنچایا ہے اس کے دشمن بھی بجائے اس کی نصیحت سن کر احسن تقویم میں ہونیکے اس کے ہلاک کے لئے منصوبے کرتے رہے آخر خود تباہ ہوئے اور اسفل سافلین کے سزاوار ٹھہرے یا اس بلد امین میں جو دشت فاران میں ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑ گئے تھے یہ شخص جو خدا کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے احسن تقویم میں ہونیکا سب سے اعلیٰ نمونہ نہیں اور لوگوں کو بھی اسی طرف نہیں بلا رہا تو اس کے دشمن کونسی کامیابی پائینگے جس کی نسبت تورات میں یہ لکھا تھا کہ خداوند فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ اور اسکے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔

(۱۶) سورۃ عٰدیات :- اس سورۃ میں آنحضرتؐ کے دشمنوں کی ہلاکت کی پیشگوئی کی ہے اور اس کی تائید قسموں کے رنگ میں بیان کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جس طرح گھوڑوں کی حالتیں یہاں بیان ہوئی ہیں اسی طرح گھوڑے اپنے لشکر سمیت ہانپتے ہوئے پتھریلی زمین پر سے تیز دوڑتے ہوئے اور غبار اڑاتے ہوئے صبح کے وقت دشمنوں کے مجمع میں جا گھسینگے اور ان کو تباہ کر دینگے۔ یہ پیشگوئی بعینہ بدر میں پوری ہوئی اور جو دشمن وہاں سے بچ نکلے وہ فتح مکہ کے دن تباہ ہوئے اور دوبارہ اس کی صداقت پر مہر لگی یہ ہلاکت ان پر اس لئے مقدر ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ اس رسولؐ کی بعثت پر شکر کرتے اور ہدایت پانے کی کوشش کرتے اور زیادہ ناشکری میں بڑھ گئے اور اس نعمت ہدیٰ کی استہزا کرنے لگے چنانچہ فرمایا اِنَّ الاِنسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُودٌ یعنی بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

جیون تت نے جن مثالوں کو قرآن سے پیش کیا تھا یہ ان کا جواب ہے مزید تفصیل اور تائید کیلئے ہمارے امام علیہ السلام کی تصانیف دیکھیں جو ثریا سے قرآن واپس لایا ہے۔ میری قابلیت سے بالا مضمون تھا مگر میرے استاد (ایڈیٹر ریویو) نے میرے عدم الفرصت کی شکایت کے باوجود لکھنے کا حکم دیا امتثال امر ضروری تھا جو میسر آیا خدمت ناظرین کر دیا ÷ الراقم عبداللہ مالاباری عفی عنہ

اخلاق فاضلہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

پہلی ہدایت پھر ایسے شخص کو جو نفس امّارہ کے قابو میں ہے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ وہ کسی گناہ کو چھوٹا نہ سمجھے۔ چھوٹی چیزوں سے ہی بڑی چیزیں بنا کرتی ہیں۔ قطرہ قطرہ ہو کے ہی دریا اور سمندر بنتے ہیں۔ ایک چھوٹے سے بیج کے بونے سے ہی اتنا بڑا درخت پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ ہزاروں لوگ اس کے نیچے آرام کر سکتے ہیں۔ تو چونکہ چھوٹی حالت سے ہر چیز کی ترقی ہوتی ہے اس لئے کسی گناہ کو بھی چھوٹا نہ سمجھا جائے۔ آج اگر ایک گناہ کو اپنے اندر اس لئے آنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ کہ یہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ تو یقیناً کل نہیں تو پرسوں وہ اپنا اثر دکھانا شروع کر دیگا۔ اور رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے وہ گناہ انسان کے ذرّے ذرّے میں پھیل جائیگا۔ اور وہ ہی گناہ جس کو وہ کل چھوٹا سمجھ رہا ہوتا ہے۔ آج بڑا ہو گیا ہو گا۔ اور اسی گناہ میں وہ خود بھی گرفتار ہو گیا ہو گا۔ پس کسی گناہ کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ گالی دینا چھوٹا سا گناہ ہے۔ اور کسی کا مال چھین لینا بڑا۔ بلکہ ان دونو کو بڑا سمجھنا چاہیئے۔ یہ دونو انسان کے خطرناک دشمن ہیں۔ اور دشمنوں سے خواہ دشمن بچہ ہی ہو جتنا ڈرنا چاہیئے وہ ظاہر ہی ہے۔ دشمن کو چھوٹا سمجھنا انسان کی سخت غلطی اور نادانی ہوتی ہے۔ چھوٹا بچہ بھی اگر دشمن ہو جائے۔ تو وہ بھی آفت برپا کر سکتا ہے۔ تو یہ گناہ جو انسان کو ہلاک کرنیوالے ہیں۔ کیونکر چھوٹے خیال کیئے جا سکتے ہیں۔ پس ترقی کے لئے۔ گناہوں سے بچنے کے لئے سب سے پہلا اور بڑا ذریعہ یہی ہے۔ کہ انسان ہر گناہ کو بڑا سمجھے۔ جب بھی کسی گناہ کا خیال آئے۔ تو یہ خیال نہ کرے کہ یہ تو معمولی سا ہے بلکہ یہ سمجھے کہ میرا اس کو معمولی سا سمجھنا بھی بہت بڑی غلطی ہے۔ پس جب تک کسی انسان کی یہ حالت نہ ہو۔ تب تک وہ گناہوں سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ میں نے بتایا ہے کہ ہر چیز بڑھتی رہتی ہے۔ اور جو بڑھیگی اور پھیلیگی۔ تو انسان کو ضرر بھی پہنچائیگی۔ اور جب انسان گناہوں کا مرتکب ہوتا رہیگا۔ گناہ کرتا رہیگا۔ تو پھر وہ کیسے ترقی کی طرف قدم اُٹھا سکتا ہے۔ پس ایسے شخص کو جس کے اخلاق نہایت ہی ادنےٰ درجے کی بری حالت میں گرے ہوئے ہوں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ کسی گناہ کو چھوٹا نہ سمجھے۔ کسی غلطی کو معمولی خیال نہ کرے۔ بلکہ ہر چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بہت بڑا دشمن سمجھے۔ جب یہ حالت ہو جائیگی۔ تو پھر وہ ان دشمنوں سے بچنے کی کوشش بھی کریگا۔ اور جس شخص نے کسی کام کے حاصل کرنے میں کوشش کی۔ وہ یقین رکھے کہ اس نے اپنے مقصد اور مدعا کو پا لیا۔

دوسری ہدایت پھر ایسے شخص کو ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ اور وہ یہ کہ اخیار کی صحبت میں

رہے۔ پاک اور نیک لوگوں کی مجلسوں میں بیٹھے۔ ان کی باتیں سنے اور ان سے فیض اُٹھائے کسی نے کہا ہے۔ ؎ صحبتِ صالح ترا صالح کند ۔ صحبتِ طالح ترا طالح کند ۔ پس طالب کے لئے صالح کی صحبت اختیار کرنی اکسیر کا سا کام دے جاتی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کا پاک لوگوں کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے جس سے عام دنیا ناواقف ہوتی ہے۔ ان کی صحبت میں رہنے سے خود بخود اصلاح ہوتی چلی جاتی ہے اور خدا ایسے شخص کے اخلاص اور ایمان کو دیکھ کر اس کی طرف خاص نگاہ رحمت فرماتا ہے۔ اور اس کے تمام عیبوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ پاک اور نیک لوگوں کی مجلس میں ذکر اللہ بہت ہوتا ہے۔ اور ذکر اللہ کا ایسا اثر دوسروں پر اثر کرتا ہے۔ کہ وہ اکثر بدیوں اور برائیوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ انکے اخلاق کو اپنے اندر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہوتے ہوتے رفتہ رفتہ وہ تمام عیبوں سے پاک صاف ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کی محبت ان کے دل میں جوش مارتی ہے اور ان کا قدم پھر ترقی کی طرف ہی اُٹھتا ہے۔ اور ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔

تیسری ہدایت پھر ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ خدا سے اپنے پچھلے گناہوں کی معافی مانگے۔ استغفار کثرت سے کرے۔ کیونکہ استغفار سے دلوں کے زنگ دور ہوتے ہیں۔ دلوں پر جو میل چڑھ جاتی ہے۔ اس کو استغفار کا پانی دھو دیتا ہے۔ پس خدا سے معافی مانگنی توبہ کرنی بھی گناہوں سے بھرے ہوئے شخص کے لئے نہایت ضروری امر ہے۔ توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس شخص پر جوش مارتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ اور معاف کر دیتا ہے۔ لیکن توبہ ایسی توبہ نہ ہو کہ کہے چلو آج گناہ کر لیتے ہیں۔ کل توبہ کر لینگے۔ پھر کل گناہ کر کے کہے۔ کہ ہم توبہ پھر کل کر لینگے۔ کونسی بڑی بات ہے۔ دو۔ تین دفعہ استغفر اللہ۔ استغفر اللہ پڑھ دینگے۔ ایسی توبہ توبہ نہیں کہلاتی۔ یہ تو تمسخر اور کھیل ہے۔ توبہ وہی ہے کہ جس کے بعد انسان مصمم اور پختہ ارادہ کرلے کہ خواہ وہ آگ میں ڈال دیا جائے۔ خواہ اس کی گردن پر تلوار رکھ دی جائے۔ خواہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں وہ اس گناہ کو دوبارہ نہیں کریگا۔ اور ہرگز نہیں کریگا۔

جب تک کوئی اس ارادے کو لے کر توبہ نہیں کرتا اس کی توبہ ناقص ہوتی ہے۔ وہ قبول نہیں ہوتی۔ وہ توبہ درگاہ خداوندی میں قبولیت کا شرف حاصل نہیں کرتی۔ اگر کوئی توبہ ہے جس سے خدا گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں بھیجتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اسے اگلی نیکیوں کے لئے بھی توفیق عطا فرماتا ہے۔ تو وہ وہی ہے کہ انسان کہے کہ چاہے کچھ ہی ہو جائے میں اب اس کو ہرگز نہیں کرونگا۔ پس ایسا شخص یقیناً بدیوں سے بچ جاتا ہے اور وہ

خداتعالیٰ کی رحمتوں کا جاذب بن جاتا ہے۔

چوتھی ہدایت پھر ایسے شخص کے لئے ایک اور بھی ذریعہ ہے۔ جس سے بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک بدی جو اسے اور بدیوں سے بڑھکر معلوم ہوتی ہو لے لے۔ اور لیکر پختہ عہد کرے کہ اور بدیوں سے بھی خدا بچائے۔ اور میں ان سے بچنے کی کوشش کرونگا مگر اس بدی کو میں کبھی بھی نہیں کرونگا۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ کتنا ہی نقصان کیوں نہ اُٹھانا پڑے فلاں بدی کو تو میں ہرگز نہیں کرونگا۔ اِس طریقے سے اس کی ایک بدی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مٹ جائیگی۔ پھر وہ دوسری بدی لیکر اور یہی ارادہ کرکے اس کو چھوڑنے کا قصد کرے تو اپنے اندر نفس امّارہ والا شخص ایک نمایاں ترقی محسوس کریگا۔

پانچویں ہدایت پھر ایسے شخص کے لئے یہ بھی ضروری امر ہے۔ کہ وہ اپنے نفع و نقصان سمجھنے کی کوشش کرے۔ انسان اگر ہر کام کے کرنے سے پہلے کچھ دیر یہ سوچ لے۔ کہ اسے اس کام میں نفع ہے یا نقصان۔ فائدہ ہے یا ضرر۔ تو وہ بہت سی بدیوں سے بچ سکتا ہے اور بہت سی نیکیوں کو اختیار کر سکتا ہے۔ ہر شخص فائدے اور نفع کو ہی چاہتا ہے۔ تو وہ دیکھ لیا کرے کہ اسے اس کام کے نتیجہ سے کیا حاصل ہوتا ہے فائدہ یا ضرر۔ پس اگر تو اس کام میں نقصان کم ہے اور فائدہ زیادہ تو وہ اس کام کو کرے۔ لیکن اگر فائدہ کم ہے اور نقصان زیادہ۔ تو وہ اس کو چھوڑ دے۔ ایک شخص مثلاً کسی بُرے فعل کو کرنے لگا ہے اس وقت وہ سوچے کہ اسے اس میں نفع زیادہ ہے یا نقصان۔ وہ اس وقت سوچیگا تو اسے فوراً معلوم ہو جائیگا۔ کہ نقصان ہی زیادہ ہے، نفع تو بہت ہی کم ہے۔ نقصان تو یہ کہ اس کا خالق اس کا مالک اور اس کا رازق اس سے ناراض ہو جائیگا۔ قیامت کے روز اسے سزا دیگا۔ اس دنیا میں بھی اس کے ہر کام میں خدا کی ناراضگی کی وجہ سے برکت کا نام و نشان نہ رہیگا۔ اور یہ بہت بڑا نقصان اور بہت بڑا ضرر ہے۔ پھر فائدہ کونسا ہے۔ فائدہ تھوڑی سی لذت اور تھوڑا سا سرور۔ جس کی مثال ایسی ہی ہے کہ شربت کا پیالہ ہو۔ اور اس میں زہر ملا دی گئی ہو۔ پینے والے کو زہر جان سے ہلاک کر دیگی۔ اور شربت اسے کوئی فائدہ بھی نہ دے سکیگا۔

پس نفع و نقصان کو مدِنظر رکھ کے ہر عمل کو اگر شروع کیا جائے۔ تو انسان بہت سی ترقی کر سکتا ہے۔ اور بہت سی کمزوریوں اور عیبوں سے بچ سکتا ہے۔

چھٹی ہدایت پھر نفس امّارہ رکھنے والے کے لئے جہاں اندرونی صفائی کی ضرورت ہے۔ وہاں ہی اس کو بیرونی صفائی کی بھی حاجت ہے۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کے کپڑے اور بستر

صاف نہیں ہوتے۔ بلکہ غلیظ اور میلے کچیلے رہتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے جسمانی اور روحانی سلسلے میں ایک ایسا جوڑ لگایا ہے کہ انسان اگر ظاہری صفائی کا خیال رکھے تو کئی قسم کے گناہوں سے بھی بچ سکتا ہے کئی لوگ اِس بات کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ وہ سمجھتے ہی نہیں کہ ظاہری غلاظت کا روح پر ایک بہت گہرا اثر پڑتا ہے کئی ایسے لوگ بھی ہونگے۔ کہ اگر ان کو کہا جائے۔ کہ تم غلیظ نہ رہا کرو۔ اس۔ لئے کہ اس کا روح پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔ تو وہ لڑنے لگ جائینگے۔ کہینگے کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ کپڑوں کا اثر روح پر پڑے۔ کپڑے کہاں ظاہری صفائی کہاں۔ اور پھر روح کہاں۔ لیکن ایسے لوگوں کی یہ سراسر غلطی ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے جسمانی سلسلے کو روحانی سلسلہ کے مشابہ بنایا ہے اور اس کی غرض ہی یہی رکھی ہے۔ کہ تا انسان سمجھ سکے۔ کہ ظاہر کا باطن پر بہت اثر پڑتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص ظاہری صفائی کا خیال نہیں رکھتا، تو وہ بھی غلطی کرتا ہے۔ اور اس کے اخلاق پر یہ غلاظت بہت بُرا اثر ڈالیگی۔ پس ظاہری صفائی کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ اِسی لئے ہمارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی کتاب نزول المسیح کے صفحہ ۴۲ پر یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جو شخص ظاہری پلیدیوں سے نفرت نہیں رکھتا اور اس کا گھر اور اس کے گھر کا صحن ناپاک رہتے ہیں۔ وہ اندرونی پاکیزگی میں بھی سُست ہو سکتا ہے۔ سو تم کوشش کرو کہ تمھارے گھر کا کوئی بھی حصہ ناپاک نہ ہو۔ اور نہ ناپاک پانی اور کیچڑ بدررؤوں میں کھڑا رہے۔ اور نہ کپڑے میلے کچیلے رہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے جو قرآن شریف میں آچکا ہے۔ ایسے احکام جو خدا تعالیٰ کی کتاب میں آئے ہیں۔ وہ اس لئے آئے ہیں۔ تا تم سمجھو کہ جسمانی سلسلہ کو روحانی سِلسلہ سے ایک تعلق ہے۔ سو تم نہ تو ظاہری طور پر زمین کے نجس حصّوں کی طرف جھکو۔ اور نہ ہی روحانی طور پر۔ بلکہ اگر ممکن ہو۔ تو اوپر کے مکانوں میں رہو۔ اور ہوادار اور روشن مکان اختیار کرو۔ اور نہ تم باطنی طور پر زمین کی طرف جھکو بلکہ آسمان میں سے حصّہ لو"

پس صفائی سے بھی بہت سے گناہوں سے انسان بچ سکتا ہے۔ اور اس کا خاص خیال رکھا جائے۔

ساتویں ہدایت | پھر ایسے شخص کے لئے جو کہ نفسِ امّارہ کے قابو میں ہو۔ یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر ضد کا مادہ نہ رکھتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی طرف سے اس کو کسی کام کے کرنے کی نصیحت آئی ہے۔ اور وہ ضد میں آکے کہے۔ کہ مَیں نہیں کرتا۔ ایسے شخص پر ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو

ہر طرح سے تیار رکھے۔ جب بھی وہ کوئی نیکی کی بات سُنے۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اسی حالت میں وہ پھر ترقی کر سکتا ہے۔ ضد کی حالت میں نہیں۔ ضد میں آ کر انسان بڑے بڑے نقصان کر بیٹھتا ہے۔ دوسرے کی بات نہیں مانتا۔ اور بعد میں لئے پھر پچھتانا پڑتا ہے۔ پس ایسا شخص جو نفس امّارہ کے پنجہ سے نکلنا چاہتا ہو۔ یہ بات بھی یاد رکھے کہ اپنے اندر سے وہ ضد کا مادّہ نکال دے۔ جب ضد کو وہ دور پھینک دیگا۔ تو اس کے کان میں جو بھی بات پڑیگی۔ اس کا دل بخوشی قبول کریگا۔ اور اس کے اثر کو اپنے اندر لینے کی کوشش کریگا۔

آٹھویں ہدایت پھر ایک اور ذریعہ جس سے بدیوں میں گرفتار شخص بدیوں سے نکل سکتا ہے وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا ہے۔ محاسبہ کرنے سے انسان نیکی میں بہت جلدی ترقی کر سکتا ہے۔ وہ ایسے کہ انسان سوتے وقت یا کسی اور وقت جس کو وہ مناسب خیال کرے۔ اپنے دل میں سوچے اور غور کرے۔ کہ اُس نے آج دن میں کتنی نیکیاں کیں۔ اور کس قدر بُرائیاں۔ اگر تو اس نے بدیاں زیادہ کی ہیں۔ اور نیکیاں کم۔ تو وہ خدا سے بہت ڈرے۔ استغفار پڑھے اور خدا سے دعائیں مانگے۔ اور وہ سوچے کہ اگر آج رات ہی اس کی جان نکل جائے۔ تو وہ خدا کو کیا جواب دیگا۔ بدیاں تو زیادہ ہوئیں تو جب بدیاں زیادہ صادر ہوتی ہیں۔ تو پھر خدا اس سے کیا معاملہ کریگا۔ پس وہ اس وقت خدا تعالیٰ سے بہت ڈرے۔ معافی مانگے۔ اور دوسرے دن پھر نیکیوں کو زیادہ بڑھانے کی کوشش کرے۔ اپنی تمام کوشش دوسرے دن وہ اسی بات میں خرچ کر دے۔ کہ اس سے نیکیاں بہ نسبت بدیوں کے زیادہ ہوں۔ اور جب دوسرے دن اپنے بستر پر جائے۔ اور بدیوں اور نیکیوں کا حساب لگانے سے اپنی نیکیوں کو بڑھا ہوا پائے تو وہ خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے اسی طرح دن بدن اپنی پہلی حالت سے بڑھنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ مومن کے لئے ہر دن جو چڑھتا ہے وہ زیادہ ترقی کا موجب ہی ہوتا ہے۔ پس اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے سے بھی بہت کچھ فائدہ نظر آ سکتا ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ یعنی قبل اس کے کہ تمہارا حساب خداوند تعالیٰ لے۔ تم اپنا حساب آپ خود کرو۔ یعنی تم خود بھی حساب کر لیا کرو کہ تمہارا قدم نیکی میں زیادہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ یا بدی میں۔ اگر تو نیکی میں وہ دن بدن بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو وہ سمجھ لے کہ اس کے لئے ترقی کا موقع آگیا ہے۔ اور وہ یقین کرے کہ اس کا خدا اس سے راضی ہو گیا ہے۔ اور جو اپنی

نویں ہدایت بد قسمتی سے نیکیوں کو کم ہی پائے۔ وہ اپنے سر کو آپ ہی پیٹے۔ بہت معافی مانگے۔ خداوند تعالیٰ کے آگے بہت تضرع اور انکساری سے دعائیں کرے۔ ہر طرح اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ سے ہی شیطان کی پناہ مانگنی بہت بڑے خاصے کی بات ہے جیسا کہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

کے پڑھنے سے ہی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خود خدا تعالیٰ کو کہنا کہ الٰہی شیطان سے مجھ کو بچائیو بہت مفید ہے۔

حکایت ایک حکایت ہے کہتے ہیں۔ کہ کوئی بزرگ تھے۔ ان کی کسی نے شاگردی کی۔ جب وہ پڑھ کے اپنے وطن کو روانہ ہونے لگے۔ تو بزرگ صاحب نے فرمایا۔ کہ مجھے ایک بات بتلاتے جاؤ۔ وہ یہ کہ اگر تم کو شیطان بہت ستائے۔ بہت تنگ کرے۔ تو اس وقت تم کیا کرو۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ مَیں اس کا مقابلہ کروں۔ فرمانے لگے کہ اگر وہ پھر بھی تجھ پر حملہ کرے۔ شاگرد صاحب بولے میں پھر اس کا مقابلہ اور اس سے لڑنا شروع کردونگا۔ فرمایا۔ کہ اگر شیطان اس سے بھی بڑھ کر تجھ پر حملے کرے اور تجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ تو تم کون سے طریقے کو اختیار کرو گے انہوں نے وہی جواب دیا۔ کہ مَیں تو مقابلہ ہی کرتا جاؤنگا۔ وہ بزرگ سمجھ گئے۔ کہ ابھی تک اس نے میری بات سمجھی نہیں۔ اس لئے انہوں نے پھر پوچھا۔ کہ اگر تم کسی دوست کے ہاں جاؤ۔ اور اُس کا ایک کُتّا تمہیں کاٹنے کو دوڑے تو تم اس وقت کیا کرو گے انہوں نے کہا کہ مَیں اس کُتّے کو ہٹاؤنگا۔ فرمانے لگے۔ کہ اگر نہ رُکے تو۔ انہوں نے کہا کہ پھر مَیں اُسے مارونگا۔ پھر بزرگ صاحب نے فرمایا۔ کہ اگر پھر بھی نہ رُکے تو اس وقت تم کیا کرو گے۔ اب ان بزرگ کی بات شاگرد صاحب کو بھی سمجھ آگئی۔ اور انہوں نے جواب دیا۔ کہ حضور اس وقت مَیں اپنے دوست کو ہی آواز دونگا۔ کہ آؤ اور آ کے جلدی بچا۔

پس اسی طرح جب کوئی شخص باقاعدہ اپنا محاسبہ شروع کردے۔ لیکن پھر بھی اس کی نیکیوں میں کوئی نمایاں ترقی نظر نہ آئے تو اس وقت وہ خدا کو ہی پکارے۔ اور کہے کہ الٰہی شیطان نے مجھے بہت تکلیف دی ہے مَیں روکتا ہوں اور وہ رُکتا نہیں۔ اب تُو ہی اسے ہٹا اور مجھے اس سے بچا۔ اس طریقے سے بھی انسان شیطان کے پنجے سے بہت جلدی رہا ہو سکتا ہے۔

دسویں ہدایت پھر جرأت اور دلیری بھی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ جو بہت سے گناہوں سے انسان کو روک سکتی ہے۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان میں جرأت نہیں ہوتی۔ اور اس جرأت کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت سے گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ اگر دلیری ہوتی تو اتنے گناہ ان سے صادر نہ ہوتے۔ مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے کو گالی دیتا۔ تو اگر آگے سے وہ بھی گالی دینا شروع کردے۔ تو ہم سمجھیں گے۔ کہ دونو ایک جیسے ہی ہیں۔ دونو کے اخلاق گرے ہوئے ہیں۔ اس وقت یہ نہ دیکھا جائیگا۔ کہ کس نے گالی پہلے دی۔ اور کس نے بعد۔ بلکہ یہ دیکھا جائیگا۔ کہ کیوں پھر دوسرے نے بھی جواب میں گالیاں دیں۔ ایسے شخص کے متعلق جو گالیاں دیتا ہے۔ ہم یہی کہینگے کہ اس میں جرأت ہے ہی نہیں۔ اگر اس میں دلیری ہوتی تو وہ دوسرے کی تکلیف کو [illegible]

کرلیتا۔ کہتا کہ اچھا میں گالیاں نہیں دیتا۔ وہ دے لے۔ اور اگر دوسرے میں بھی جرأت ہوتی۔ تو وہ بھی گالیاں نہ دیتا۔

پھر اسی طرح اور بہت سے گناہ ہیں۔ جو انسان سے اسی لئے صادر ہوتے ہیں۔ کہ اس میں جرأت نہیں ہوتی۔ دلیری کا مادہ نہیں ہوتا۔ جرأت اور دلیری کی وجہ سے ستر فیصدی ایسے گناہ ہیں۔ جن سے انسان بچ سکتا ہے۔ پس جرأت اور دلیری کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے۔ کہ بغیر اس کے انسان بہت سے گناہوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ کوئی گالی دیتا ہے۔ تو دوسرا اس کے مقابل میں گالی مت دے۔ کوئی کسی کو تکلیف دیتا ہے۔ تو دوسرا اس کو تکلیف نہ دے۔ بلکہ اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دے۔ اور آپ جرأت اور دلیری سے ان سب باتوں کو برداشت کرے۔ یہی باتیں ہیں جن پر عمل کرنے سے کوئی ایسا شخص جو بدیوں میں گرفتار ہو۔ جو پنجۂ شیطان میں پھنسا ہوا ہو۔ رہائی پا سکتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص اخلاق فاضلہ کو سیکھنا چاہتا ہے۔ دنیا میں ناموری حاصل کرنا چاہتا ہے خدا کے قرب میں بڑھنا چاہتا ہے تو اس کا ذریعہ یہی ہے۔ کہ انسان ان تمام باتوں پر عمل کرے۔ جو پیچھے آچکی ہیں۔ اور اپنے آپ کو کامل ارادے۔ کامل قوت اور کامل جرأت سے ترقی کو حاصل کرنے کے لئے اخلاق حسنہ سیکھنے کے لئے تیار کرے۔ وہ جب عمل کریگا تو دیکھ لیگا۔ کہ اس کے پہلے اخلاق میں اور عمل کے بعد کی عادات میں کتنا فرق نظر آتا ہے۔ پہلے تو وہ بدیوں میں گرفتار تھا۔ برائیاں کرتا رہتا تھا۔ خدا کی نافرمانی کو اختیار کرتا تھا۔ اور اسی میں اپنی زندگی بسر کر رہا تھا۔ مگر جب وہ اچھی باتوں پر خوب اچھی طرح سے عمل کریگا۔ تو اسے اپنی حالت بھی بہت اچھی نظر آنے لگے گی۔ پس اب ہمت اور ارادے کی ہی ضرورت ہے۔ اس کو اختیار کرنیوالے اختیار کریں (باقی وارد)

ابتلاء اور عذاب میں فرق۔ عذاب کا نتیجہ ہلاکت اور تباہی ہوتی ہے۔ مگر ابتلاء کا یہ نتیجہ نہیں ہوتا۔ (۲) عذاب کے نتیجہ میں نقصان کی زیادتی ہوتی ہے۔ اور ابتلاء میں نفع کی زیادتی ہے۔ (۳) عذاب جس انسان پر نازل کیا جاتا ہے اسکے دل میں مایوسی اور گھبراہٹ ہوتی ہے مگر جس پر ابتلاء نازل ہوتا ہے اس کے دل میں اطمینان اور تسلی ہوتی ہے۔ (۴) عذاب کے دور کرنے کی انسان جب کوشش کرتا ہے تو ٹھوکریں کھاتا جاتا ہے مگر جب ابتلاء آتا ہے اس کا فہم رسا ہو جاتا ہے۔ (۵) ابتلاء میں انسان کو احساس بلا نہیں ہوتا۔ جب ابتلاء آتا ہے تو انسان ان تکالیف کو حقیر سمجھتا ہے اور لذت محسوس کرتا ہے۔ (۶) عذاب میں روحانیت کم ہو جاتی ہے۔ مگر ابتلاء میں زیادہ

(خلیفۃ المسیحؑ)

تناسخ پر دس اعتراضات

(از حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہٖ)

(۱) ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ ہندو عقیدہ کے رو سے یہ دنیا ایک عذاب کا مقام ہے اور اس سے چھٹ جانا نجات ہی پھر بھی اگر ہندوؤں میں سے کوئی مر جائے تو اس پر افسوس کرتے ہیں اور روتے ہیں حالانکہ اگر یہ دنیا ایک عذاب ہے اور اسکی گرفت سے نکل جانا اصل مقصد ہے تو چاہیئے کہ مرنے والوں پر خوش ہوں کہ انہوں نے ایک منزل طے کر لی۔ اور خصوصاً بچوں کی موت پر تو بہت ہی خوشی ہونی چاہیئے کہ انہوں نے بلا کسی گناہ کے اپنی اس جون کو طے کر لیا مگر مرنے والوں پر ہندوؤں کا ماتم بتاتا ہے کہ وہ ایک طرف تو ان حوادث کو قانونِ قدرت کا اثر سمجھتے ہیں اور دوسری طرف تناسخ کی تائید اصرار کے ساتھ کمربستہ ہو رہے ہیں جو خلافِ عقل ہے +

(۲) ہندوؤں کے نزدیک نجات نام ہے اس جسم سے چھٹنے کا کیونکہ سکھ دکھ جسم سے تعلق رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جسم میں آنا ایک سزا ہے۔ چنانچہ انکے عقائد سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان ادنیٰ حالت میں آتا ہے تو جونوں کے چکر میں پھنستا ہے اور جب ترقی کرتا ہے تو اس چکر سے آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اسکے وہ اولاد کی خواہش کرتے ہیں گویا ایک طرف تو اس دنیا میں جیو کا آنا سزا کا موجب سمجھتے ہیں اور دوسری طرف اس امر کی خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے گھر بھی کچھ قیدی آویں۔ گویا وہ اولاد کی خواہش کر کے جیوؤں کو دکھ میں ڈالنا چاہتے ہیں +

(۳) پھر تناسخ کے عقیدہ پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ پہلی دفعہ روحوں کو جسم میں کیوں داخل کیا گیا تھا یہ کونسا انصاف تھا کہ ان کو جونوں کے چکر میں پھنسا کر تکلیف دی جاتی۔ ہندو یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے انسان پیدا کیا گیا تھا جو اچھی حالت ہے کیونکہ ان کے عقیدہ کے رو سے خواہ انسان بنایا جائے خواہ کچھ بنایا جائے روحوں کی طبعی ان کی حالت جونوں سے الگ ہو کر سکھ دکھ کے احساس سے بچ جانا ہے پس اس دنیا میں خواہ انسان بنا کر بھیجا جائے یہ ایک عذاب ہے اور دکھ ہے۔ یہ دکھ بلاوجہ کیوں دیا گیا ؟

(۴) تناسخ کے عقیدہ کو مان کر ایک مشکل پیش آجاتی ہے کہ کیا خدا تعالیٰ نے سب روحوں کو پہلے ہی موقع پر اکٹھا انسانوں کی جون میں بھیجا تھا یا آہستہ آہستہ دنیا میں بھیجا ؟ اگر کہو کہ پہلے ایک ہی دفعہ سب روحوں کو انسان بنا کر بھیجا پھر جو گناہ گار تھے ان کو حیوان بنا دیا تو اس کو تاریخ غلط ثابت کر رہی ہے تاریخ بلا شک و شبہ اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ انسانی نسل دنیا میں بڑھتی چلی جاتی ہے جو آج سے ہزار سال پہلے آبادی تھی اب اس سے بہت زیادہ ہے .... پس یہ بات تو درست

نہیں ہو سکتی۔ اگر کہا جائے کہ آہستہ آہستہ روحوں کو دنیا میں بھیجا جاتا ہے تو یہ انصاف کے خلاف ہی کیونکہ پہلی دفعہ دنیا میں آنیوالی سب روحیں یکساں ہونی چاہئیں مگر جب دنیا کا سلسلہ جاری ہو گیا تو ماننا پڑیگا کہ کوئی امیر کے گھر میں پیدا ہو گی کوئی غریب کے گھر میں۔ اور یہ بقول ہندو صاحبان ظلم ہو گا ٭

(۵) تناسخ کے عقیدہ کو مشاہدہ باطل کرتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں اس قدر جانور ہیں کہ اگر انسان بنا دیا جائے تو زمین پر تل دھرنے کی جگہ نہ رہے بلکہ اگر ان کی لاشیں اوپر نیچے رکھدی جائیں تب بھی میلوں میل اونچے لاشوں کے پہاڑ بنجائیں۔ پس اگر یہ صحیح ہے کہ پہلے یہ سب روحیں انسان تھیں پھر گناہ کی وجہ سے جانور بن گئیں تو اس قدر آدمی دنیا میں رہ کیونکر سکتے تھے۔ انکو تو کھڑے ہونیکو بھی جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ اگر کیو کر آہستہ آہستہ دنیا میں آئے تو اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ پھر برابری نہ رہتی اور وہی بے انصافی کا جواب آریہ مذہب پر آجاتا ہے جو وہ دوسروں پر لگاتے ہیں ٭

(۶) سائنس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا پر حیوان اس طرح پھیلے ہیں کہ پہلے ادنیٰ جانور بنے پھر ان سے اعلیٰ پھر ان سے اعلیٰ پھر انسان بنا۔ اور یہ بات بالکل عقل کے مطابق ہے کیونکہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تمام قانون قدرت ایک ارتقائی تدریج ہے پس تناسخ کا عقیدہ اس حقیقت کے خلاف ہونیکے سبب سے باطل ہے۔ ہم ڈارون تھیوری کے قائل نہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ انسان کسی اور جانور سے بن گیا ہے۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زمین نے آہستہ آہستہ ایسی صفائی اختیار کی کہ اسمیں انسان رہ سکے۔ پس ضرور تھا کہ پہلے ادنیٰ جانور پیدا ہوتے جو کثیف ہوا میں رہ سکتے اور اگر پہلے جانور پیدا ہوئے ہیں تو پھر تناسخ کا عقیدہ باطل ہے کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ حکمتی خانہ سے نکالکر پہلے روحوں کو جانور بنایا جو ظلم ہو گا ٭

(۷) تناسخ کی ابتداء ہی تناسخ کو رد کرتی ہے۔ کیونکہ یہ خیال کیا گیا ہے کہ گناہ کی وجہ سے دنیا میں اختلاف پیدا ہوا کہ کوئی غریب بنا کوئی امیر۔ کوئی عقلمند بنا کوئی بیوقوف۔ کوئی بدصورت بنا کوئی خوبصورت۔۔ لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو گناہ تفاوت اور اختلاف سے پیدا ہوتا ہے ایک شخص کے پاس ایک ایسی چیز نہیں ہوتی جو دوسرے کے پاس ہوتی ہے تو وہ اسکی خواہش کرتا ہے اور حسد یا لالچ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر قتل وغیرہ کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے یا زنا اور بدکاری میں مبتلا ہوتا ہے۔ لیکن اگر پہلے سب انسان ایک سی شکل کے ایک سی عقل کے ایک سے مال کے ایک سی عزت کے پیدا ہوئے تھے، تو گناہ کیونکر پیدا ہوا؟ کسی کو کسی کے خلاف جوش اور غصہ پیدا کیونکر ہو سکتا تھا؟

(۸) آٹھواں اعتراض یہ ہے کہ اگر تناسخ درست ہے تو ماننا پڑیگا کہ جس قدر تکالیف انسان کو

دنیا میں پہنچتی ہیں یہ سب پچھلے اعمال کی سزا اور ان کا بدلہ ہیں اگر یہ درست ہے تو چاہیئے کہ جو اس دنیا میں زیادہ مالدار ہو وہ پہلے جنم میں زیادہ نیک ہو اور جسے اس دنیا میں تکالیف پہنچیں وہ پچھلے جنم میں نہایت گناہ گار اور گندہ ہو جیسا کہ ہندوؤں کا خیال بھی ہے کہ بیوہ عورتیں اور اندھے اور لولے لنگڑے انسان اور غریب اور بھوکے مرتے لوگ پچھلے جنموں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر لوگ دنیا کے مصلح گذرے ہیں خواہ انکو نبی کہو۔ مامور کہو۔ اوتار کہو وہ سب لوگ بہت ہی تکالیف میں رہے۔ ہندوؤں کے بزرگوں رام چندر جی اور کرشن جی کو دیکھ لو انکے راستہ میں سخت تکالیف آئیں۔ تناسخ کے رو سے ماننا پڑیگا کہ ان لوگوں کی پچھلے جنموں کی زندگی بہت بری تھی۔ مگر کیا کوئی عقلمند یہ مان سکتا ہے کہ جس قدر لوگ دنیا کی اصلاح کے لئے آئے ہیں وہ سب کے سب پہلی زندگیوں میں برے لوگ تھے؟ عقل یہی فیصلہ کریگی کہ وہ مسئلہ باطل ہے جو انکو بدعمل قرار دیتا ہے۔ یہ لوگ بد نہ تھے ۔

(۹) ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی قسم کے جانور دنیا سے مٹتے چلے جاتے ہیں اگر تناسخ صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ بعض گناہ ہونے دنیا سے بند ہو گئے ہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں گناہ نئے سے نئے نکلتے آتے ہیں ۔

(۱۰) دسواں اعتراض یہ ہے کہ ہندو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ملک میں چارہ نہ ملنے کی وجہ سے اور گائیوں کو ذبح کر دینے کے سبب سے گائیں دنیا میں کم ہو گئی ہیں اور اس کا الزام گورنمنٹ پر دیتے ہیں لیکن اگر یہ سچ ہے کہ تناسخ کے اثر کے نیچے بعض روحیں گائے کی جون میں آتی ہیں تو پھر لوگوں کے ذبح کرنے سے گائیں کم کیوں ہو جاتی ہیں؟ جب ان کے اعمال چاہتے ہیں کہ وہ گائے کی شکل میں رہیں تو اول تو کسی کو ان کے ذبح کرنے پر قدرت ہی نہیں ہونی چاہیئے اور اگر یہ قدرت ہو تو چاہیئے کہ وہ پھر جلد سے جلد دوبارہ جنم گائے کی شکل میں لیں اور جس جگہ گائیں زیادہ ذبح ہوں وہاں گائیوں کی اولاد بہت بڑھ جائے اور جلدی جلدی بچے ہونے لگیں۔ مگر یہ درست نہیں جس قدر جانور ذبح کئے جائیں وہ اپنی مدت پوری کرنے کے لئے واپس نہیں آتے بلکہ کہیں غائب ہو جاتے ہیں ۔

المقتبسات و الملتقطات

پنجاب مردم شماری رپوٹ میں جماعت احمدیہ کا ذکر

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ جو گورنمنٹ کی طرف سے شائع ہوئی ہے اس میں جماعت احمدیہ کی نسبت حسب ذیل ریمارک ہیں۔ (ایڈیٹر)

مذہب اسلام میں ہر صدی پر نہایت پاکیزہ اور عالم لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اسلام کے لئے قربانی اور نفس کشی کی بدولت ان کی قوت مقناطیسی نے ہمعصر لوگوں پر زبردست اثر ڈالا۔ اور انہوں نے شاگردوں اور مداحوں کے گروہ در گروہ اپنے اردگرد اکٹھے کر لئے۔ اس حلقہ متبعین نے ان بزرگ ہستیوں کی پیروی کی اور ہر پیچھے آنیوالی نسل برابر اُن کا احترام کرتی رہی ہے۔ ایسی جماعتوں کے نام بعض اوقات انکے مسلم بزرگوں کے نام پر رکھے گئے۔ مثلاً قادری۔ چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی اور احمدی۔ انہوں نے اپنے عالمانہ خیالات سے اسلامی لٹریچر کو مالا مال کر دیا۔ مگر انہوں نے کبھی بھی اسلامی اصولوں کے خلاف وعظ نہیں کیا۔ ....

...... جماعت احمدیہ میں زیادتی کی وجہ ہر دو فریق کی پُر زور تبلیغ ہے۔ (جنکے ہیڈ کوارٹرز قادیان اور لاہور میں ہیں) اور جن کے درمیان مولوی حکیم نور الدین صاحب کی وفات پر اختلاف پیدا ہوا۔ جو بانی سلسلہ کے ایک لائق خلیفہ تھے۔ ۱۹۰۸ء میں جبکہ بانی سلسلہ نے وفات پائی۔ ایک ہائی سکول۔ ایک مدرسہ دینیات۔ دو اردو اخباریں۔ اور ایک انگریزی اور اردو ماہوار رسالہ ریویو آف ریلیجنز جماعت کا کام کر رہے تھے۔ اس گذشتہ عرصہ میں احمدیہ جماعت نے اپنی کوششوں کو اور وسیع کر کے یورپ اور امریکہ میں مشن قائم کئے۔ ہر دو فریق کے مذہبی لٹریچر کی اشاعت نے ان کی جانب تسخیر قلوب میں بڑا کام کیا ہے۔ (انگریزی ریویو)

کلیسیائے مسیحیت کے قانون طلاق پر رائے زنی

ریورنڈ پروفیسر کلیمنٹ ایف راجرز نے جو کنگز کالج لندن کی پاسٹورل تھیالوجی کے لیکچرار ہیں۔ حال ہی میں اس مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے طلاق کی خوفناک زیادتی کا ذکر کیا اور ایک بالکل طبعی لیکن ہمارے مغربی عیسائیوں کے لئے پریشان کن بات کہی۔ کہ شادی کے متعلق مسیحیت کا جو کچھ نقطہ نگاہ ہے۔ یعنی ناقابل انقطاع تعلق اور آزادانہ محبت۔ ان دونوں کے بین بین کوئی رستہ نہیں۔

ریورنڈ ایس ڈبلیو ہیوگس بھی کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔ کہ کیا ایک عورت کی شادی ایسے شخص سے جس نے اپنے آپ کو وحشی اور شیطان سیرت ثابت کیا۔ اور زوجیت کے تمام حقوق اور اس کی تقدیس کو اس نے مٹا یا اس لئے کیجاتی ہے۔ کہ وہ کبھی اس سے آزاد نہ ہو۔ اور اگر وہ اس سے طلاق حاصل کرلے۔ تو کیا وہ آئندہ اپنی جائز

خواہشات کو ٹھیک طور پر پورا کرنے سے محروم کر دیجائیگی۔ اور صحیح ازدواجی تعلقات کی خوشیوں سے کبھی آشنا نہ ہوگی؟ اُس نے گرج کر کہا۔ کہ اس قسم کا خیال خود اللہ تعالیٰ پر نقص عائد کرتا ہے ؛

کلیسا میں عورت کی حیثیت۔

کلیسیائے انگلستان کے کسی قدر پُرزور الفاظ جن سے خطبہ نکاح شروع ہوتا ہے۔ وہ الفاظ جو عورت کو قسم کے اندر دوہرانے پڑتے ہیں۔ کہ میں خاوند کی مطیع اور اس کی خدمتگذار رہونگی حقیقت الامر کو واضح کرنیوالی ہیں۔ شادی کی انگوٹھی بھی جوان ایام کی ایک یادگار ہے جب مسیحیت میں عورت کو ”دلی جائداد“ سمجھا جاتا تھا۔ اس مضمون پر روشنی ڈالتی ہے۔ یہ جملہ کہ ”میں اپنے تمام دنیوی مال و متاع سمیت میں اپنے آپ کو تیرے سپرد کرتی ہوں“ واقعات میں مبالغہ آمیزی نہیں ؛

پولوس کا بیان ہے کہ ”تمہاری عورتیں گرجاؤں میں خاموش رہیں۔ کیونکہ ان کو بولنے کی قطعًا اجازت نہیں۔ بلکہ ان کو حکم ہے۔ کہ اطاعت اختیار کریں۔ جیسا کہ شریعت میں لکھا ہے“

اور اگر وہ کچھ سیکھیں۔ تو انہیں چاہیئے کہ اس کے متعلق اپنے خاوند سے گھر پر تذکرہ کریں۔ کیونکہ عورت کے لئے یہ جائے شرم ہے کہ وہ گرجا میں کلام کرے (۱۔ کرنتھیوں باب ۱۴۔ آیات ۳۴، ۳۵)

تثلیث کے متعلق مسٹر سڈنی کا بیان

مسٹر سڈنی کا بیان ہے کہ ”تثلیث کا عقیدہ ایک بے خبر متلاشیٔ حق کو جو بہت سے ہیبتناک حقائق سے گھرا ہوا ہے۔ ایک فرضی اور وہمی بات نظر آتی ہے“۔

ہم کیا کریں کہ ہمیشگی کی زندگی پائیں

یسوع مسیح کا جواب۔ کہ خدا کو پیار کرو اور احکام کی پابندی بجا لاؤ ؛

اتھینیس کا جواب۔ جب تک تم سارے مذہب کو اصل شکل میں قائم نہ رکھو گے۔ اور جو کچھ میں کہوں اس پر ایمان نہ لاؤ گے تو بلاشبہ تم ہمیشہ کی موت کے شکار ہو گے۔

پوپ کا جواب۔ سب سے پہلے میرے اختیار اور معصومیت پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے بعد جو کچھ میں کہوں اس کو مان لو۔ اور اپنے کو بھول جاؤ ؛

چرچ آف انگلستان۔ مسیح کی الوہیت پر ایمان لاؤ۔ اور جو کچھ انجیل میں لکھا ہے اُسے سچ مان لو ؛

مختلف فرقے۔ ہمارے ہی خاص اصول کو مانو پھر تم انتخاب کر لئے جاؤ گے۔ اور جو ایسا نہ کرینگے وہ جہنمی ہونگے۔

امریکہ میں مسیحی معتقدات

امریکہ پریسبیٹیرین جنرل اسمبلی نے جو فیصلہ کٹر مسیحیت کے حق میں کیا ہے۔ اس کو اس جماعت کے متعدد بڑے بڑے پادریوں نے کھلے طور پر رد کرنا مناسب سمجھا ہے۔ ڈاکٹر کامن نے بظاہر دوسرے بہت سے لوگوں کی طرف سے اخبار یونٹی میں لکھا ہے۔ کہ ”انجیل کا الہامی ہونا مسیح کا کنواری کے پیٹ سے پیدا ہونا۔ اور اس کا جسمانی طور پر مردوں میں سے اُٹھ کھڑے ہونا یہ سب کے سب بودے اور کمزور اور غیر ضروری معتقدات ہیں“ آگے چلکر لکھا ہے کہ مسیح کے

معجزات کو اُس زمانہ کی سائنس کی روشنی میں جانچنا چاہیئے۔ جب وہ صادر ہوئے"۔

بائیبل کی اشاعت

کہا جاتا ہے۔ کہ صرف ملیشیا میں چالیس ہزار مسلمان عیسائی ہوئے۔ اور بائیبل کو مختلف زبانوں میں بہت کثرت کے ساتھ تقسیم کیا گیا۔ ۳۱۔ دسمبر ۱۹۲۱ء تک بیس سال کے عرصہ میں بائیبل کی ۱۲ لاکھ کاپیاں تقسیم ہوئیں۔ جو عربی زبان میں چھپی ہوئی تھیں۔ عثمانی ترکی زبان میں ایک لاکھ پچاس ہزار کے متعلق دعویٰ ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں گئیں +

سترھویں اٹھارھویں صدی میں کلیسیا کی حالت

کرسچن ورلڈ مورخہ ۲۔ اگست ۱۹۲۳ء میں اس بات پر اظہار افسوس کیا گیا ہے کہ مذہبانہ لٹریچر میں دیانت و امانت کا کوئی دخل نہیں۔ ڈیل رقمطراز ہے:۔ "اسلاف کی تحریروں کا بہت بڑا حصہ جعلی اور بناوٹی ہے۔ یہ جعل قدیم ایام میں کیا گیا یا پچھلے زمانہ میں۔ لیکن وہ غلط اور بناوٹی باتوں سے پُر ہیں۔ پارسا اور بدکار ہر دو کی یہ کوشش رہی ہے۔ کہ حضرات پوادری کے خاص فوائد کے حصول کے لئے تمام کی تمام کتاب کو اپنے پاس سے بنالیا جائے"۔

بشپ فیل نے لکھا ہے:۔ "کلیسیا کے ابتدائی ایام میں بناوٹ اور جعل کا طریق اس قدر عام تھا اور لوگ ایک بناوٹی بات پر یقین کرنے میں اس قدر سادہ تھے۔ کہ لین دین کے معاملات میں شہادت کو نہایت بُری طرح سے چھپایا جاسکتا تھا"۔

کیابن۔ سکیلیجر۔ برنٹ اور دوسرے لوگوں نے اسی رنگ میں ابتدائی مسیحیوں کے متعلق لکھا ہے۔ مُراد فاتح درنا نے جس وقت مسیحیوں سے معاہدہ کیا۔ تو کارڈینل جولین نے اس بناء پر کہ ایک غیر مسیحی کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں رکھا جاسکتا عہدنامہ کا توڑنا جائز قرار دیا۔ رائے کے متعلق رواداری اور آزادی عملاً مفقود تھی۔ اور اپنے کُنبہ اور قوم و نسل سے باہر ہمدردی شاذ و نادر ہی پائی جاتی تھی کلیسیا کی تمام تعلیم اور اس کا عمل غیر رواداری اور استبدادیت کی طرف راجع تھا۔ بیرونیس نے اس زمانہ کا حال لکھتے ہوئے کہا ہے۔ کہ "اب ہم ایک ایسے زمانہ میں داخل ہوتے ہیں۔ جو ہر ایک خوبی اور پاکیزگی سے عاری ہونے کے لحاظ سے وہ ایک بدترین زمانہ مصنفین کے فقدان کی وجہ سے ایک تاریک ترین عہد ہے"۔

بیا عزم و تقویٰ کے یہی

عینی شاہد کے بیان کے مطابق دہلی کی خاص کانگرس میں جو ستمبر ۲۳ء میں منعقد ہوئی تھی۔ جب افتتاح کانگرس کے وقت "بندے ماترم" کا گیت گایا جانے لگا تو دوسرے لوگوں کے ساتھ علمائے کرام نے بھی سروقد ہوکر اس گیت کی تعظیم دی۔ اسی طرح اسی جلسہ میں علماء کرام نے بالغ اور نابالغ عورتوں کا ہارمونیم پر گانا بھی سنا (تعمیل) ایڈیٹر:۔ جماعت احمدیہ کے دو نمائندے ہندو مسلم

اتحاد کمیٹی میں مشورہ دینے کے لئے دہلی گئے تھے۔ وہ بھی کانگرس پنڈال میں داخل ہوئے اور بندے ماترم گیت کے وقت کھڑے نہیں ہوئے چونکہ تمام پنڈال میں صرف دو ہی آدمی تھے۔ جو بیٹھے رہے اس لئے ادھر اُدھر سے آوازیں آنے لگیں کھڑے ہو جاؤ۔ مگر ہمارے بھائی نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ ہمارا مذہب اجازت نہیں دیتا اس لئے ہم نہیں کھڑے ہوئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جرأت ایمانی بھی سچے مومنوں ہی کا حصہ ہے۔ اگر آجکل کے مولاناؤں میں یہ بات ہوتی تو مسیح موعودؑ کی بعثت کی کیا ضرورت تھی۔

ایک مولانا کی جھاڑ اپنے ہمنواؤں کو

دُنیا میں اس وقت جس قدر قومیں آباد ہیں۔ باہمدگر متفق و متحد ہیں۔ لیکن تم اور صرف تم اپنے اندر منافقت اور معاندت رکھتے ہو۔ آج ہر قوم متمدن اور مہذب نظر آتی ہے۔ لیکن تم تمدن اور تہذیب سے کوسوں دُور ہو۔ یقین کرو۔ دنیا میں اُسی قوم کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اور وہی قوم باعزت خیال کی جاتی ہے۔ جس میں اتحاد و یگانگت بدرجۂ اتم پائی جائے۔ تم یہ تو کوشش کرتے ہو کہ ہم غیر مسلموں سے محبت و مودت کا برتاؤ رکھیں۔ ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی تفریق باقی نہ رہے۔ لیکن تمہیں بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا۔ کہ سب سے پہلے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے۔ تم کافروں اور مشرکوں سے ارتباط و اختلاط پیدا کرنے کے لئے مذہب کو بھی خیرباد کہہ رہے ہو۔ مذہبی احکام و فرائیں سے اعراض و انحراف کر رہے ہو۔ کیا تم نے قرآن پاک کی تلاوت کی ہے۔ اگر کی ہے تو یقیناً یہ آیت بھی تمہاری نظر سے گذری ہوگی:۔ انّا جعلنا الشیاطین اولیاء الذین لا یؤمنون ؕ (پ ۸۔ اعراف رکوع ۳) تحقیق ہم نے شیطانوں کو اُن کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لائے؛

حالانکہ قرآن شریف تو تمھیں اس کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ کہ اگر "تمھارے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں یا اُن کے قلوب ضیاء ایمان سے خالی ہوں۔ تو تم اُن سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھو"

تم کتنی بڑی غلطی میں مبتلا ہو۔ گھر میں تو پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ باہر جاکر دوسروں سے ربط ضبط پیدا کرکے انہیں اپنے گھر لانا۔ گویا اپنے آپ پر اُن کو قبضہ دے دینا ہے۔ (تصوّف لاہور)

موجودہ بائیبل کی نسبت علماء کلیسیا کا عقیدہ

انگلستانی کلیسیا میں جب کوئی پادری ڈیکن بنایا جاتا ہے تو اس سے بعض اظہار بطور سوال و جواب لئے جاتے ہیں اس میں تیسرا سوال و جواب حسب ذیل ہُوا کرتا ہے:۔

سوال۔ کیا آپ جو کچھ نئے پُرانے عہدنامجات (بائیبل) میں ہے اُن سب کو بلاتصنّع قبول کرتے ہیں۔

بیان یہ کیا گیا اس قسم کے بیان دینے کے لئے اب پادری تیار نہیں جس سے مراد یہ تھی کہ وہ صحت بائیبل کو تسلیم نہیں کرتے۔ تریسٹھ پادریوں نے مخالفت کی۔ یہ سب کچھ کنٹربری میں ہُوا۔ اس سے یہ امر تو

فیصل ہو گیا کہ نوّے فیصدی مسیحی علماء موجودہ انجیل و توریت کو کل کا کل خدا کی طرف سے نہیں مانتے۔ بہت ردّ و کد کے بعد سوال کی شکل ذیل منظور ہو گئی۔ "کیا آپ پُرانے عہد ناموں کی اُن باتوں کو مانتے ہیں جو مختلف حصص میں اور مختلف پیرایوں میں خدا کے اس الہام کو لائیں جو ہمارے خداوند مسیح میں پورا ہوا"۔

عیسائی مذہب کے بنیادی اصل قصّہ آدم پر ایک ڈین کے خیالات

سنہ ۱۹۲۲ء میں وسٹ منسٹر گرجا کے ڈین نے (جو لندن کا شاہی گرجا ہے) بچّوں کے نصاب تعلیم کے مذہبی حصّے پر بحث کرتے ہوئے ایک جلسہ میں فرمایا کہ "اگر ہم اس نصاب میں کتاب پیدائیش کی کہانیاں رکھ دیں۔ تو آئندہ نسل یہی سمجھے گی۔ کہ ہمارا معیار صداقت بہت ہی ادنیٰ درجے کا تھا"۔ یہ معنی خیز فقرہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کتاب پیدائش کی کہانیاں اس فاضل الٰہیات کے نزدیک خالی از صداقت ہیں۔

مسئلہ طلاق پر بشپ آف ڈرہم کے خیالات

انجیل میں حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔ کہ "جس مرد و عورت کو خدا نے ملا دیا اُسے کوئی جُدا نہیں کر سکتا"۔ اس ارشاد کے ماتحت طلاق ایک امر ناممکن ہے بشپ آف ڈرہم مسیحؑ کے ارشاد بالا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اگر مسیحؑ ہمارے زمانے میں ہوتا تو زیادہ عقلمندی سے کام لیتا۔

پادریوں کی کانفرنس میں مسئلہ اُلوہیّت مسیحؑ

بمقام آکسفورڈ اگست سنہ ۱۹۲۱ء میں پادریوں کی ایک کانگرس نے فیصلہ کیا اور مسیحیت کے ایک فاضل ڈاکٹر ریشڈل ڈین کارلائل اس مسئلے پر گفتگو کرنے کے لئے مقرر ہوئے آپ نے فرمایا۔ کہ اگر ہم مسیحؑ کے نام یا ذات کے ساتھ اُلوہیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس لفظ کے مفہوم میں ذیل کی باتیں کبھی ذہن میں نہیں رکھتے۔ اوّلؔ حضرت مسیحؑ نے کبھی اپنی ذات کے لئے اُلوہیّت کا دعویٰ نہیں کیا۔ چوتھی انجیل (یعنی یوحنّا) میں اگر انکی تقریریں اس بات سے آگے جاتی ہیں تو وہ تاریخی پایہ سے گری ہوئی ہیں۔ دوؔم اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ مسیحؑ ہر معنوں میں انسان تھے وہ جسماً نہ تھے۔ بلکہ ان کی روح۔ قوت تعقل قوت ارادی۔ سب انسانی تھی۔ سوؔم۔ یہ بھی قدیمی عقیدہ نہیں کہ مسیحؑ کی انسانی روح ازل سے موجود ہے۔ چہارؔم اُلوہیّت مسیحؑ سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ بن باپ ضروری تھے۔ یا صاحب معجزہ تھے۔ اگر تاریخاً اُن کی پیدائش ایسی ہی ثابت ہو تو بھی اُلوہیّت کا مظہر نہیں۔ پنجمؔ مسیحؑ کی اُلوہیّت علم غیب۔ یا علم کُل پر مشتمل نہیں اس بات کے فرض کرنے کی بھی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ مسیح کا علم اپنے معاصرین سے کوئی زیادہ تھا (مثلاً) جنّوں کا سر سے نکالنا (آج اگر) اسے ایک دماغی مرض سمجھا گیا ہے (اور مسیحؑ کے معاصر اسے جن سمجھے تھے) تو مسیحؑ بھی ایسا ہی سمجھتے تھے ٭

امریکہ میں مسیح کی بے باپ پیدائش کا مسئلہ

لنڈن ۲۰ دسمبر:۔ آجکل کلیسیائے امریکہ کی ایک جدید تحریک سے سخت سنسنی پھیلی ہوئی ہے جس کے بانی مبانی ریورینڈ ڈاکٹر لٹن پارکس گرجائے سینٹ بارتھولومیو نیویارک کے بڑے پادری ہیں۔ گرجا میں نماز ہو رہی تھی۔ کہ ڈاکٹر پارکس نہایت دبے پاؤں کھسک گئے۔ اور اپنا پادریانہ لباس پھینک کر آنہیات کا سیاہ جبہ پہنکر نمودار ہوئے اور اسقف کو چیلنج دیا۔ کہ وہ اپنر الحاد کا مقدمہ چلائیں کیونکہ وہ اس عقیدہ سے انکار کرتے ہیں۔ کہ خداوند یسوع کنواری مریم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ ڈاکٹر پارکس ایک ضعیف و نحیف معمر آدمی ہیں۔ اور جس وقت انہوں نے یہ کہا کہ .... انہوں نے یہ دعوے عدالت اسقف کے اس حکم کی وجہ سے کیا ہے۔ کہ ریورنیڈ لی ہیسٹن (ڈنیکاس) پر محض اسی عقیدہ کے اظہار پر الحاد و کفر کا مقدمہ چلایا جلئے تو ان کا تمام جسم سر سے پیر تک کانپ رہا تھا۔ ڈاکٹر پارکس نے ظاہر کیا۔ کہ وہ خود بالی ہیسٹن ہی اس عقیدہ کے آدمی نہیں ہیں۔ بلکہ امریکہ کے بہت سے ممتاز اور سر برآوردہ پادری یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ خداوند یسوع بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء اور مقتدیان دین فرماتے ہیں۔ کہ وہ الفاظ جو یسعیاہ نے اپنی پیشگوئی میں استعمال کئے ہیں انکے اصلی معنی شادی شدہ نوجوان عورت ہیں۔" مگر یونانی زبان میں غلطی سے اسکا ترجمہ "کنواری"، کر لیا گیا۔ خود پولوس رسول کا قول ہے کہ یسوع داؤد کی نسل سے آدمیوں کی طرح سے پیدا ہوا تھا۔ (پرتاپ لاہور)

انگلستان میں:۔ کنواری کے پیٹ سے پیدا ہونے کی کہانی کے متعلق پروفیسر ریگل پیئس نے ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو اپنی تقریر میں کہا کہ "اس کہانی کا پتہ پُرانی روایات میں نہیں ملتا۔ اور یہ قصہ اگر انجیل میں داخل کیا گیا تو اس لئے نہیں۔ کہ اس سے مسیحؑ کی خدائی منوانا مقصود تھی۔ بلکہ اس لئے کہ وہ انسان سمجھا جائے کیونکہ اس زمانہ میں ایک یہ عقیدہ بھی تھا۔ کہ مسیحؑ دراصل روح ہی روح ہے۔ اور اس میں کوئی انسانی جسم کا حصہ نہیں۔ لہذا ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہونا اس کی جسمانیت ثابت کرنے کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ (پیغام لاہور)

کیا آریہ سماجیوں کے نزدیک ویدوں کو خدا کا کلام ماننا ضروری ہے

اخبار پرتاپ مطبوعہ ۳۰۔ نومبر ۱۹۲۳ء میں اخبار "اکاش بانی" کے خاص آریہ نمبر کے حوالہ سے "آریہ سماج ہندو سنگٹھن کیسے کر سکتا ہے" کے عنوان سے "لالہ لاجپت رائے جی کے خیالات"، شائع ہوئے ہیں اس میں لالہ صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"ان اصولوں کو ایسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جن سے سوامی جی کا دلی مطلب ظاہر ہوتا ہے مثال کے طور پر تیسرے اصول کو دیکھ لیں۔ اس میں صاف الفاظ میں کہیں نہیں کہا گیا کہ وید ایشور کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس نیم کو ایسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ جس سے کسی پر

یہ لازم نہیں آتا کہ وہ وید کو الہامی کتاب مانے"۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لالہ لاجپت رائے صاحب جنہوں نے پرکاش کے تازہ رشی انک میں پنڈت دیانند صاحب کو اپنے "ایک ماتر گورو" "دھرم کے پتا" اور آریہ سماج کو "دھرم کی ماتا" بتلایا ہے۔ آریہ سماجیوں کے لئے ویدوں کو الہامی ماننا ضروری نہیں سمجھتے۔

پھر بقول آریہ گزٹ مطبوعہ ۲۸۔ مگھر سمت ۱۹۸۰ بھائی پرمانند صاحب نے "ہندو سنگٹھن اور آریہ سماج" نامی اپنی نئی کتاب کے صفحہ ۱۱۵ پر یہ تحریر کیا ہے:۔

"وید الہامی ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ یہ کیسے معلوم ہو کہ چار رشیوں نے جو کچھ گیان بتلایا انکی آتما میں وہ آپ پیدا ہوا یا پرماتما کی طرف سے پیدا ہوا"۔

بھائی پرمانند صاحب کی اس تحریر سے آریہ سماجیوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کہ وہ ویدوں کو الہامی نہیں مانتے ۔۔۔ خود پنڈت دیانند صاحب ویدوں کو الہامی نہیں مانتے تھے ۔۔۔ اسی پالیسی کی بنا پر انہوں نے لاہور آریہ سماج کا پردھان ایک ایسے صاحب کو بنایا تھا کہ جو ویدوں کی ایشوری گیان نہیں مانتے تھے۔

مسیحؑ کی ابنیت سے کیا مراد ہے

ریورنڈ میجر پرنسپل ڈین ہال آکسفورڈ نے کہا کہ جناب مسیحؑ نے نہ تو جسمانی معنوں میں ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ جیسے کہ بن باپ ہونیوالے قصّے سے اخذ کیا جاتا ہے۔ نہ انہوں نے ذہنی (روحانی) معنوں میں ایسا دعویٰ کیا۔ جیسے کہ نیقہ کی کونسل نے قرار دیا۔ انہوں نے اخلاقی معنوں میں ایسے ہی اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ظاہر کیا۔ جیسے کہ ہر ایک انسان خدا کا بیٹا کہلا سکتا ہے۔ یعنی انسان میں اور خدا میں ایک قسم کا باپ بیٹے کا رشتہ اس طرح سے ہے۔ کہ انسان ان اخلاق کو ظاہر کرے جو خدا کے ہیں۔

تعدد ازدواج میں پادریوں کی رائے

"چرچ مشنری ریویو" نمبر میں ریورنڈ ای۔ ٹی پکن لکھتے ہیں۔ "تعدد ازدواج کا اصول غلط ہوتا۔ تو خدا نے ہمیں اس سے منع کیا ہوتا۔ اور ہمارے خداوند نے اس کے خلاف آواز اٹھائی ہوتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایسا حکم ہمیں نہیں دیا گیا۔ کہ ایک مرد ایک ہی عورت کا خاوند ہو سکتا ہے"۔

بائبل میں تحریف

مارچ ۱۹۲۲ء میں ڈین انجی (سینٹ پال کے بڑے پادری) نے ایوننگ سٹینڈرڈ میں ایک مضمون لکھا۔ جس میں آپ لکھتے ہیں:۔ "معاملہ تصنیف میں کامیاب سے کامیاب فریب اگر کہیں ہوا۔ تو کلیسیا میں ہوا۔ ابتدائے عیسائیت ہی میں ایک وقت آگیا۔ جب کسی کتاب کی عزت تو ہی ہوتی تھی۔ جب اُسے کسی بڑے نام پر منسوب کر دیا جائے۔ بکثرت جعلسازی

شروع ہو گئی۔ اور آج ہم وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ عہد نامہ جدید میں بھی جو کتابیں جن کے نام پر منسوب ہیں۔ وہ انہیں کی ہیں یا نہیں؟ پطرس کا دوسرا خط تو بالاتفاق اس کا نہیں۔ اور عہدنامہ جدید کی بعض کتابوں کی صحت شبہ سے خالی نہیں۔" (پیغام صلح لاہور)

ٹوکیو میں جو دوسرا زلزلہ آیا اس سے ٹوکیو اور کویا کے درمیان ریلوے سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔ زلزلہ کے نتیجہ کے طور پر یوکوہاما میں چھ اشخاص ہلاک اور ۳۲ مجروح اور ٹوکیو میں چار ہلاک اور ۷۴ مجروح ہوئے یوکوہاما میں ۶۰۰ مکانات مسمار ہو گئے ہیں۔ نواحات میں آگ لگ رہی ہے۔ ایک ٹرین دریائے بنیاگادا میں گر پڑی اور چھ ٹرینیں الٹ گئیں۔ بادشاہ ملکہ اور شہزادے محفوظ ہیں۔ یہ زلزلہ ویسا ہی تھا۔ جیسا کہ گذشتہ ستمبر میں آیا تھا۔

بھارتیہ ہندو شدھی سبھا کی کوشش۔ بھارتیہ ہندو شدھی سبھا آگرہ ۱۳۔ فروری ۱۹۲۳ء کو قائم کی گئی تھی ۳۱۔ دسمبر ۱۹۲۳ء تک سبھا کو مختلف سادھنوں سے ایک لاکھ ۴۴ ہزار چار سو ۸ روپیہ آمدنی ہوئی۔ جس میں سے اب سبھا کے پاس ۶۶ ہزار ۳ سو ۴۷ روپیہ بقایا ہیں۔ متذکرہ بالا دس مہینوں میں سبھا کے زیر اہتمام ۵۶۳ اصحاب کام کرتے رہے ان میں سے ۲۹۸ آنریری پرچارک اور والنٹیر ہیں اور ۲۶۵ تنخواہ دار۔ سبھا نے کام کو باقاعدہ اور آسانی سے کرنے کے لئے قریباً بیس شاخیں کھول رکھی ہیں۔ سبھا اب تک ۱۸۳ گاؤں میں شدھی اور بھرت ملاپ کرا چکی ہے۔ ان گاؤں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔
ضلع آگرہ میں ۴۳ گاؤں میں شدھی ہوئی۔ ضلع متھرا میں ۳۰۔ ضلع بھرت پور ۱۶۔ ضلع بھرائچ ۱۵۔ ضلع گوڑگانوہ ۵۰۔ بڑودہ ۲۱۔ فرخ آباد ۳۔ بیاور ۵۔ دہلی۔ اٹاوہ۔ فیض آباد۔ بلند شہر اور میرٹھ ۱۸۔ ان ۱۸۳ گاؤں میں کس قدر لوگ شدھ ہوئے ان کی ٹھیک تعداد ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی۔ اس وقت کام کرنے والے کم ہو گئے ہیں۔ اس لئے شدھی اتنے زور سے نہیں رہی۔ (پرتاب لاہور) احمدی جماعت! اپنے فرض کو پہچانو اور مخالفوں کی کوشش کو دیکھو۔

برطانوی کپڑے کا بائیکاٹ ہمیں مفید نہیں ہو سکتا ہندوستان میں ہر سال ۶۰ کروڑ ۳۹ لاکھ روپیہ کا کپڑا خرچ ہوتا ہے۔ جس میں سے ۵۸ کروڑ روپیہ کا کپڑا باہر سے آتا ہے۔ ان اعداد شمار کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان میں ۶۰ کروڑ ۳۹ لاکھ روپیہ کا کپڑا تیار ہونا ممکن ہے؟ اس سوال کا جواب یقینی طور سے نفی میں ہو گا۔ کیونکہ اس کے لئے عظیم سرمایہ اور طویل وقت کی ضرورت ہے

ہندوستان میں جو کارخانے پارچہ باقی کر رہے ہیں اُن کا مجموعی سرمایہ ۴۰ لاکھ ہے۔ گویا ہندوستان سردست کسی صورت سے بھی برطانوی پارچہ کا بائیکاٹ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یعنی اگر وہ جاپانی کپڑے سے ضرورت پوری کرتا ہے۔ تو خود اس کے تیار کردہ کپڑے کی تجارت پر ضرب لگتی ہے۔ اور اگر جاپان کے کپڑے کی درآمد کو روکتا ہے تو ہر سال روئی کی ۱۲ لاکھ گانٹھوں کی خریداری بند ہوتی ہے ۔ (ذوالفقار لاہور)

کیا قادیان ہندوستان میں نہیں؟

ایک ہندو نامہ نگار عجیب مزوّرانہ طریق سے مسلمانوں کو مقدس سرزمین حجاز سے روگردان کرتا ہے حب الوطن من الایمان اور ارض ہند کو ہبوط آدم اور خلافت کا مرکز قرار دیکر کہتا ہے کہ جزیرۃ العرب کے قصے ملتوی اور حجاز کی کہانی ملتوی کر۔ اخیر میں لکھا ہے۔ "مورکھ مرزائی کو قادیان کی زیارت کرتے ہوئے میری اور تیری زیارت بابا آدم کی زمین کی ہوگی"۔ بدبخت متعصب کو یہ یاد نہ رہا کہ قادیان میں جزیرہ کا ٹکٹ لے کر تو نہیں جاتے۔ انسان کو کسی اصل کا پابند ہونا چاہیئے۔ اہل اسلام کنوئیں کے مینڈک نہیں ان کا خدا رب العالمین ان کا رسول رسول العالمین ان کی کتاب عالمگیر ہے سب دنیا ان کی ہے چہ مسلم ہیں ہم۔ وطن ہے سارا جہاں ہمارا۔ جہاں بھی خدا کا فضل آئے ہم پہنچینگے اور ضرور پہنچینگے ۔

طاعون کا نسخہ

کالی زیری۔ لہسن۔ لال مرچ پیسکر گلٹی پر لیپ کریں۔ لال مرچ قدرے زیادہ ہو۔ اور کالی مرچ پیسکر گھی میں ملا کر پلائیں پھر خام اینٹ سے گلٹی کو سینکیں۔ مذکورہ بالا دوا جس نے استعمال کیا خدا نے شفا بخشی ۔

اخبار ذوالفقار کی شہادت ہمارے کام پر

فتنہ ارتداد کے میدان میں تقریباً مسلمان کامیاب ہوگئے آریہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ہمیں شکست ہوئی ہے۔

ہم یہ ضرور کہیں گے۔ اور انصاف سے کہتے ہیں۔ کہ احمدی جماعت نے اس میدان میں نہایت دلیری سے کام لیا ہے۔ باوجودیکہ غیر احمدیوں نے ان کے درمیان نہایت درجہ کی مشکلات اور کٹھن و پتھریلی دیواریں حائل کر دینے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ مگر یہ اپنے کام میں نہایت خاموشی سے لگے۔ اور دشوار گذار گھاٹیوں سے عبور کر گئے۔

(ذوالفقار ۱۶ جنوری ۱۹۲۴ء)

کلنک اوتار آنیکا یہی وقت ہے

ہزار سالہ پیشگوئی

(دیکھو بھاگوت کا تیسرا اسکند اور تیسرا ادھیائے)

اک زمانہ آنے والا ہے جو ہوگا پُر گزند
عورتیں ہوجائینگی بے باک آزادی پسند

اپنی مرضی کے مطابق ہی کریں گی کام وہ
کچھ نہ سوچیں گی کسی آغاز کا انجام وہ

پارسائی و حیا کا چھوڑ کر وہ انضباط
کچھ نہ ہوگی اُن کو فکرِ اعتدال و احتیاط

بدمعاشوں کی ہو کثرت وہ کرینگے چوریاں
چودھری بن جائینگے دکھلا کے وہ شہ تیوریاں

ہونگے دنیا میں بہت سے لوگ ویدوں کے خلاف
اچھی باتوں کو بُرا کہنے لگینگے صاف صاف

حکمراں تک بھول جائینگے رعایا پروری
نام کو رہ جائیگی قایم عدالت گستری

زانی و فاسد براہمن بھی بہت ہوجائینگے
جھوٹی باتیں کرکے اپنی تیزیاں دکھلائینگے

چھتری بھی دور ہونگے اپنے فرض خاص سے
ہونگے باہر حدِ دین عزت و اخلاص سے

ہیں جو سچے برہمچاری کم نظر میں آئینگے
دھوکا دینے کے لئے لوگوں کے گھر میں آئینگے

ہونگے دولتمند سادھو چھوڑ کر ویراگ کو
شعلہ زن رکھینگے وہ حرص و ہوس کی آگ کو

مانگ کر بھکشا انہیں کھانا نہ آئیگا پسند
ہونگے خدمت کیلئے اُن کے ملازم ہوشمند

بن کے سنیاسی بھی ہوگی فکر جب اولاد کی
حاجتیں پوری کرینگے خاطرِ اولاد کی

بستیوں میں شہروں میں بھی اُنکے گھر بنجائینگے
جائدادیں ہونگی قایم اہلِ زر بنجائینگے

ہونگی اوسط قد کی پیدا عورتیں کثرت کے ساتھ
کم سنی میں دولت اولاد سے پُر ہوگا ہاتھ

کھائینگی کھانا زیادہ تلخ بھی ہوگا مزاج
شوہروں پر ہوگا قایم اُنکا قابو اور راج

دیش، دھوکا دینگے اہلِ شہر کو بیوپار میں
ہوگی کب پہچان باقی یار میں اغیار میں

گائیں جبتک دودھ دینگی چارہ دانہ پائینگی
ہونگی جب بیکار وہ بازار میں بک جائینگی

مینہ، موقع پر نہ برسیگا رہیگا انقلاب
شدتِ بارش سے بھی ہوگی کبھی کھیتی خراب

جا بجا قحط و گرانی کا رہیگا سامنا
پائے ہمت کا بہت دشوار ہوگا تھامنا

باپ ماں کا بھائیوں کا ساتھ سمجھینگے فضول
اپنے سسرالوں میں رہنا لوگ کرلیں گے قبول

چھوٹی ذاتوں کے بشر اہلِ شرف کہلائینگے
بن کے واعظ شان اپنی ہر طرف دکھلائینگے

پُر الم ہوگی رعایا ٹیکسوں کے بار سے ۔۔۔ آئیگی آواز زاری ہر در و دیوار سے
اک ذرا سی بات پر آپس ہی میں ہونگے فساد ۔۔۔ ایک کو جاتا رہیگا دوسرے کا اعتماد
دوستی گہری ذرا سی بات پر ہوگی تباہ ۔۔۔ اپنے گھر والوں سے گھر والونکی بدلیگی نگاہ
باپ ماں کو بیٹے سمجھیں گے حقیر و بے اثر ۔۔۔ کون لیگا ایسی حالت میں بھلا اُن کی خبر
ملک میں کم امن ہوگا جا بجا ہونگے فساد ۔۔۔ ہوگی جب نا اتفاقی دُور ہوگا اتحاد
گھی نہ کھانیکو ملے گا گر ملا وہ بھی خراب ۔۔۔ جسم میں طاقت جو کم ہوگی تو ہوگا اضطراب
حق پرستی کا بہت کم ہوگا لوگوں کو خیال ۔۔۔ ہوگی بدافعالیوں سے صورت رنج و ملال
مختلف بیماریوں کا زور ہوگا پُر مخل ۔۔۔ دُشمن جاں ہوگی ایسی حالت رنج و خلل
جب زمانہ ایسا آئیگا تو ہوگا انقلاب ۔۔۔ پھر کلنک اوتار سے سب لوگ ہونگے فیضیاب
اے تمنا ہوگا پھر آغاز ستجگ کا عمل ۔۔۔ حالت ناگفتہ بہ فوراً ہی جائیگی بدل

([illegible])

ریویو:- ہم تمنا صاحب اور ان کے ہم مذہبوں کو بشارت دیتے ہیں کہ آنیوالا کلنک اوتار آچکا۔ مبارک وہ جو اسکو پہچانتے اور اس کے چرنوں میں آکر فتن زمانہ سے محفوظ ہو جاتے ہیں ٭ (ایڈیٹر)

نجات کے متعلق مختلف خیالات

برہمنوں نے کہا ہے۔ کہ نجات یہ ہے۔ کہ سُکھ دُکھ سے انسان بچکر خدا میں جذب ہو جائے۔

بدھوں کے نزدیک جونوں میں پڑنے سے چھوٹ جانا اور خواہشات کا مٹ جانا نجات ہے۔

جینیوں کے نزدیک نجات یہ ہے کہ روح جونوں سے بچ جائے اور پھر اعلیٰ طاقتیں پیدا کر کے خدا کا مثل ہو جائے۔

یہودیوں کے نزدیک بعد الموت عذاب سے چھوٹ جانا یا اسی دنیا میں یہود کو عذاب نہ دینا نجات ہے۔

مسیحیوں کے نزدیک گناہ کی سزا سے بچ جانا۔ اور گناہ سے بچ جانا نجات ہے۔

زرتشتیوں کے نزدیک گناہ کی سزا سے بچ جانا نجات ہے۔

شنتوازم یعنی جاپان کا اصل مذہب۔ انکے نزدیک گناہوں کی سزا سے بچنا نجات ہے۔

جدید فلسفہ یورپ کے نزدیک نجات یہ ہے کہ انسان جہالت سے بچ جائے۔

اسلام کے نزدیک فلاح یا دوسرے لفظوں میں نجات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ملنے کا جو تڑپ۔ اور آگ انسان کے دل میں لگی ہوئی ہے۔ اس سے بچ جائے۔ اور خدا تعالیٰ سے ملجائے۔

ہندو مذہب نجات کی جو تعریف کرتا ہے۔ وہ فلاح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہندوؤں کے نزدیک خدا کا ملنا یہ ہے۔ کہ انسان میں کوئی حِس نہ رہے۔ مگر فلاح کے معنی ہیں لے لیا۔ اور پالیا۔ اور اسکے لئے حِس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جب اُس نے حِس کھودی۔ اس نے تو سب کچھ کھو دیا۔ نہ کہ کچھ پایا۔ اسلئے ہندو مذہب جس امر کو نجات قرار دیتا ہے۔ وہ فلاح نہیں کہلا سکتی۔ بلکہ نجات بلا ہوئی

ہندو دھرم کی حقیقت: - یہ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان کی تالیف ہے، حجم ۲۰۴ صفحے قیمت ۸ر لکھائی چھپائی کاغذ اچھا۔ اس میں مؤلف محترم نے ہندو دھرم کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے... پہلے ویدوں کے الہامی ہونے پر روشنی ڈالی ہے پھر ہندوؤں کے مسئلہ اوتار۔ اوتاروں کی تقسیم بتائی ہے اور دکھایا ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک ایشور کس کس روپ میں ظاہر ہوا۔ پھر رام اوتار، کرشن اوتار، بدھ اوتار کے واقعات ہیں۔ ان کے پڑھنے ہی سے ضرورت اسلام ایک طالب حق پر واضح ہو جاتی ہے آخر میں نہایت خوبی سے اسلام کو پیش کیا ہے اور ہندو لیڈروں کی زبانی اسلام کی مدحت سرائی دکھائی ہے۔ کتاب ہر مذہبی مذاق رکھنے والے مسلمان کو منگوانی چاہیئے۔

الواعظ: - یہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا رسالہ نہایت اعلیٰ کاغذ پر خوشخط عمدہ چھپا ہے شیعہ نقطۂ خیال سے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ قیمت سالانہ تین روپے۔

کتاب محقق: - یہ ایک پاکٹ بک ہے جسمیں ہمارے مکرم سید شفیع احمد صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی کے متعلق ہر قسم کا ثبوت بہم پہنچایا ہے لکھائی چھپائی اعلیٰ کاغذ عمدہ حجم قریباً ۵۰ صفحہ قیمت ۴ر۔ دلائل کا اچھا خاصہ مجموعہ ہے احباب کو مؤلف کی ہمت افزائی چاہیئے۔ ملنے کا پتہ: منیجر رسالہ دستکاری کوچہ پنڈت دہلی۔

کتاب نہج المصلی مجموعہ فتاوی احمدیہ جلد اول } ضخامت ۴۶ صفحے قیمت مع محصولڈاک ۱۲ر نہج المصلی۔ اس کتاب کا یہ الہامی نام ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح اول و ثانی علیہم السلام کے فتوے بترتیب ابواب فقہ درج ہیں۔ فتویٰ کا حوالہ و ماخذ درج ہے۔ تھوڑے نسخے شائع ہوئے ہیں۔

کتاب اسرار شریعت ہر سہ جلد } ضخامت ۴۹۶ صفحے۔ قیمت مع محصولڈاک ۸ر۔ اس کتاب میں سارے اسلامی احکام کے اسرار ترتیب وار بیان کر کے ہر مسئلہ متعلقہ کے بارہ میں آریہ عیسائیوں دہریوں وغیرہ کے اعتراضات کے جوابات مہذبانہ لکھے ہیں۔

اردو ترجمہ فتوحات } ہر سہ باب کامل ضخامت ۳۵۸ صفحے قیمت مع محصولڈاک عہ ۱۲ر اس کتاب کے مؤلف حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جنہوں نے ساتویں صدی ہجری اسلامی فلسفہ و علم تصوف کو زندہ کیا تھا۔ اس کتب مذکورہ بالا کے ملنے کے لئے پتہ ذیل پر درخواست دیں۔ مولوی محمد فضل خان ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجرخان ضلع راولپنڈی پنجاب۔

نئے ہم عصر: [illegible] ماہواری رسالہ۔ اور القاسم پندرہ روزہ قیمت سالانہ ہر دو تین روپے [illegible] جاری ہوئے ہیں۔

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی پانچ تاریخ قادیان دارالامان ضلع گورداسپور پنجاب سے شائع ہوتا ہے

رسالہ ریویو آف ریلیجنز ...... قادیان

(اُردو)

کی نسبت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس وقت توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت مالی راہ میں جہاں تک ان سے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلاویں" اور فرماتے ہیں :-

"اگر اس رسالہ کی اعانت کے لئے اس جماعت سے دس ہزار خریدار اُردو یا انگریزی کا پیدا ہو جائے تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلے گا۔ اور میری دانست میں اگر بیعت کرنے والے بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں۔ تو اس قدر تعداد کچھ بہت نہیں بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے"

میرے سید و مولیٰؑ نے جب یہاں تک فرما دیا۔ اور جماعت سے دس ہزار کا مطالبہ اس وقت کیا جبکہ جماعت کی تعداد لاکھ سے زیادہ نہ تھی تو کیا اب چھ سات لاکھ جماعت کی موجودگی میں میری یہ خواہش کہ کم از کم ایک ہزار خریدار ریویو کو اور مل جائے۔

صحابہ کرامؓ کا نمونہ دنیا کو دکھانے والی قوم کے سامنے کچھ ایسی خواہش ہے جو پوری نہ ہو ہرگز نہیں۔ مجھے یقین رکھنا چاہیئے کہ ایک ہزار خریدار ریویو کو ضرور دیا جائیگا۔ کیونکہ موجودہ صورت میں خریداروں کی اتنی کمی ہے کہ خرچ آمد سے زیادہ ہے حالانکہ ریویو آف ریلیجنز کی خاطر حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنا رسالہ تشحیذ الاذہان بند کرا دیا اور اس جلسہ سالانہ پر احباب کو مزید توجہ [illegible]

پس دوست اپنے فرض کو پہچانیں۔ اور ہر ماہوار خرچ کر کے اس [illegible] جائیں۔ اور اگر آپ خریدار ہیں۔ تو کسی اپنے بھائی یا دوست کے نام رسالہ جاری [illegible] دیں۔ قادیان صرف تین روپے۔ طلباء سے اڑھائی روپے - مینیجر اُردو ریویو آف ریلیجنز قادیان

نوٹ ضروری۔ انگریزی ریویو آف ریلیجنز کا دفتر چونکہ الگ ہے اس لئے جو خط لکھا جائے۔ اس کا پتہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی قادیان لکھا جائے